الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

دسمبر ۲۰۱۳ء

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی زیارت کے دوران حضرت مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین علیہ الرحمہ بار بار حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور ان کی قربانیوں کا ذکر کرتے رہے اور ایک بار فرمایا:

"حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا بڑا اثر آپ کے وطن بھوج پور (ضلع مراد آباد) اور قرب و جوار پر بھی ہے کہ آپ ہی کے صدقے میں بھوج پور اور قرب و جوار کا علاقہ آج تک سنیوں کا گڑھ ہے۔ آپ اگر پور مبارک پور رہتے تھے، مگر اپنے علاقے سے غافل نہ تھے۔ ان کی اصلاح برابر کی بھی فکر کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے علاقے کے لوگ آج بھی حافظ ملت کے مداح اور عقیدت مند ہیں اور یہ بھی یاد رکھنے کی چیز ہے کہ یا علوم اہل فضل و کمال اپنے قبلے میں مقبول نہیں ہوتے باہر جا کے ان کی کتنی ہی مقبولیت کیوں نہ ہو، لیکن حضور حافظ ملت باہر تو باہر اپنے علاقے میں بھی بہت مقبول و محبوب تھے۔ یہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ایک بڑی خصوصیت ہے، جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔"

مبارک حسین مصباحی

مشمولات

اداریہ — آہ مفتیِ اعظم راجستھان — مبارک حسین مصباحی — ۳

تحقیقات

فقہی تحقیق — تقلید کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم — مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — ۱۱

فقہیات

کیا فرماتے ہیں — آپ کے مسائل — مفتی محمد نظام الدین رضوی — ۱۶

نظریات

فکر امروز — شام پر امریکی حملہ اور زمینی حقائق — مولانا محمد فروغ القادری — ۱۹

اسلامیات

شعاعیں — مثال کی ضرورت و اہمیت — محمد آصف اقبال — ۲۴

شخصیات

انوار حیات — سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا — مولانا کلیم رضا نوری — ۲۹

نقش حیات — سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام — مولانا عبید اللہ خان اعظمی — ۳۴

رضویات

درس گاہ رضا — مسلکِ اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق — مولانا اختر حسین فیضی — ۳۶

بزم دانش

فکر و نظر — مساجد کی مرکزیت اور ائمہ حضرات کی ذمہ داریاں — محمد عابد چشتی/مولانا محمد ساجد رضا مصباحی — ۳۸

ادبیات

گوشۂ ادب — سید شاہ فخر الدین اشرف کا ادبی زاویۂ نظر — ڈاکٹر آفاق فاخری — ۴۳

نقد و نظر — شرح آداب المریدین — مبصر: محمد ناصر منیری — ۴۵

خیابان حرم — نعت شریف/قطعۂ تاریخِ وفات — پروفیسر طلحہ رضوی برق/حشمت رضا ساحل — ۴۷

وفیات

سفر آخرت — حضور مفتیِ اعظم راجستھان کا سفرِ آخرت/خواجہ صاحب صاحبِ علم و اخلاق/آہ اک اور دانائے راز رخصت ہوا — ۴۸

مکتوبات

صدائے بازگشت — محمد خلیل مصباحی/مولانا محمد عرفان قادری/انصار احمد مصباحی — ۵۱

سرگرمیاں

روداد جمن — الجامعۃ الاشرفیہ میں تقریب تقسیمِ انعامات — ۵۳

خبر و خبر — مبارک پور میں سیرتِ رسول کانفرنس/اے ایم یو میں تعلیم اسلامی کانفرنس/مراد آباد میں اجتماعی شادیاں — ۵۵

اداریہ

آہ! حضرت مفتیِ اعظم راجستھان

مبارک حسین مصباحی

۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ ۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز منگل دو بج کر ۵۰/ منٹ پر مفتیِ اعظم راجستھان حضرت مفتی شاہ محمد اشفاق حسین نعیمی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس دردناک خبر سے نہ صرف راجستھان بلکہ ملک اور بیرون ملک غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی اعظم راجستھان کو غریقِ رحمت فرمائے، ان کی قبر پُر انوار پر مغفرت کے بادل برسائے، اولاد، پس ماندگان اور متعلقین کو صبر و شکر کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کے وصالِ پُر ملال کے بعد نہ صرف راجستھان اور گجرات میں بلکہ کثیر مقامات پر ایصالِ ثواب کی محفلیں منعقد ہوئیں، دو بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں، انتقال کی خبر پاکر ۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو اور پھر عید الاضحیٰ کی تعطیل کے بعد اساتذہ اور طلبہ کی محفل میں، دوسری مجلس میں علماے کرام نے اپنے دردناک خیالات کا اظہار کیا اور اجتماعی طور پر ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان ہلکی پھلکی بیماریوں میں برسوں سے مبتلا تھے، ادھر ایک ماہ سے شدید بیمار تھے، ان کے دگرگوں حالات سے تلامذہ و خلفا، مریدین و متوسلین اور اہلِ خانہ سخت مضطرب تھے۔ ہر زندگی کو موت کو مزہ چکھنا ہے۔ آخری ایام میں حضرت ایم. جی. ایم. ہاسپیٹل میں زیرِ علاج تھے، وقت پورا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کے محبوب تلامذہ اور متعلقین نے غسل دیا اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ تمام مراسم ادا کیے۔ ٹھیک عید الاضحیٰ کے دن ۲/ بجے نمازِ جنازہ کا اعلان کیا گیا تھا متعلقین کے ہجوم شوق نے وقت موعود کو آگے بڑھا دیا۔ نائب مفتیِ اعظم راجستھان حضرت مفتی شیر محمد خاں نے شام ۵/ بجے نماز پڑھائی۔ نمازِ جنازہ جودھ پور کی مرکزی اور وسیع عید گاہ میں ادا کی گئی، ساڑھے آٹھ بجے کے قریب حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کے چہیتے فرزند الحاج معین الدین اشرفی اور حضرت کے پوتوں اور نواسوں نے قبر میں اتارا اور انتہائی نم ناک اور غم زدہ ماحول میں تمام آخری مراسم ادا کیے۔ حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کی قبر انور اشفاقیہ انسٹی ٹیوٹ، چوکھا، جودھ پور کے وسیع رقبے میں بنائی گئی ہے۔

چہلم شریف کا اجلاس ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۷/ نومبر ۲۰۱۳ء کو صبح سے نماز ظہر تک رہے گا۔ یہ عظیم الشان اجلاس بھی اشفاقیہ انسٹی ٹیوٹ، چوکھا، جودھ پور کے وسیع و عریض میدان میں منعقد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو مکمل کامیابی سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کی ولادت باسعادت موضع شیونالی ضلع امروہہ میں ۱۹۲۱ء میں ہوئی، دادا جان اور پھر والد گرامی گاؤں کے مکھیا تھے۔ والدگرامی جناب محمد الطاف حسین مرحوم علم دوست تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ میرا بیٹا عالمِ دین بنے اور ہندوستان بھر میں دین و سنیت کی تبلیغ کرے۔ گاؤں میں پہلے سے کوئی اسکول اور مکتب نہیں تھا۔ اب ضرورت پیش آئی تو انھوں نے اپنے اثر سے گاؤں میں ایک اسکول قائم کیا اور مفتی اشفاق حسین علیہ الرحمۃ کو اس میں داخل کیا۔ آپ نے اس اسکول میں پرائمری تعلیم کے ساتھ اردو اور ناظرہ قرآن مجید بھی مکمل کیا۔ اور پھر والد گرامی آپ کو لے کر سنبھل پہنچے، جہاں اجمل العلما حضرت علامہ شاہ اجمل حسین رضوی علیہ الرحمۃ کا شہرۂ آفاق ادارہ چل رہا تھا۔ والدگرامی نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا، حضور یہ آپ کا بیٹا ہے، ہم آپ کی بارگاہ میں عالم و فاضل بنانے کے لیے لے کر آئے ہیں۔ آپ کی نگاہِ کرم ہو گئی تو انشاء اللہ ہم سب کی مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ حضرت نے انشاء اللہ فرما کر قبول فرما لیا۔ اس وقت مدرسہ اہلِ سنت اجمل العلوم سنبھل میں حضرت اجمل

العلما کی نیابت میں مناظرِ اہلِ سنت حضرت مفتی محمد حسین سنبھلی، جامع معقول و منقول حضرت علامہ سید مصطفیٰ حسین سنبھلی بھی استاذ تھے۔ ان بزرگوں کی نگاہِ علم اور توجہ و عنایت سے جناب اشفاق حسین صاحب مفتی اعظم راجستھان بن گئے۔ اساتذۂ کرام کی دعائیں اور والدین کی تمنائیں پوری ہو گئیں۔

عہدِ طالب علمی میں ایک واقعہ پیش آیا، یہ شاید سنبھل میں حضرت کا پہلا برس تھا، بقول حضرت مفتیِ اعظم راجستھان:

"کسی وہابی نے میرے والد سے کہا کہ آپ اپنے بچے کو دیوبند بھیج دیجیے، میرے والد کا جواب تھا، میں اپنے بچے کو جاہل تو رکھ سکتا ہوں مگر دیوبندی مدرسے میں نہیں دے سکتا۔ یہ میرے والد کی سختی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا۔"

(معارفِ مفتیِ اعظم راجستھان، ص:۴۱۶)

بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جشن دستار فضیلت کا انعقاد ہوا۔ پروگرام کے روحِ رواں تو بلا شبہہ حضرت اجمل العلما اور دیگر اساتذۂ اجمل العلوم تھے، لیکن بحیثیت خطیب جن بزرگوں نے شرکت فرمائی ان میں تاج العلما حضرت مولانا محمد عمر نعیمی، مفتی آگرہ حضرت مولانا عبد الحفیظ اور معمارِ ملت حضرت مولانا محمد یونس نعیمی علیہم الرحمہ وغیرہ مدعو تھے۔

ختم بخاری شریف اور جشن دستار بندی کے بعد جب حضرت گھر پہنچے تو ہر طرف مسرت و شادمانی کا ماحول تھا، مبارک بادیوں کے گل دستے لٹائے جا رہے تھے۔ حضرت کی دادی جان جو چودہ برس سے نابینا تھیں، حضرت کے والد گرامی نے مسلسل علاج کرایا لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا، آج دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ دادی جان بھی فرحت و مسرت میں ڈوب گئی تھیں۔ اب اس کے بعد کیا ہوا، اس کی تفصیل حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کی مقدس زبان سے سنیے۔

"جب میں بخاری شریف ختم کر کے گھر پہنچا تو ان کو اتنی خوشی ہوئی کہ وہ بینا ہو گئیں اور ایک سال تک بینا رہیں، اور آنکھوں میں ایسی روشنی آئی کہ ۲۹ر کا چاند دیکھا کرتی تھیں۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے مجھ کو بچپن میں دیکھا تھا، بینائی آنے کے بعد انھوں نے مجھے دیکھا تو میری داڑی مونچھ آچکی تھی، یعنی میں جوان ہو گیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ میں دعا کرتی تھی کہ جب تم پڑھ کر آؤ تو میں تمھارا چہرہ دیکھوں۔" (معارف مفتیِ اعظم راجستھان، ص:۴۲۰)

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان فراغت کے بعد چند ایام کے لیے دھڑپال ضلع مراد آباد تشریف لے گئے، ۱۹۴۵ء میں پالی مارواڑ گئے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں والد بزرگوار کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں آپ اپنے وطن گئے۔ قریب دس ماہ تک آپ گھر پر رہے۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں آپ جودھ پور تشریف لے گئے، اب مزید تفصیل حضرت مفتیِ اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی زبانِ مبارک سے سنیے:

"پہلے میں پالی آیا، مدرسہ اسحاقیہ بہت ہی قدیم ادارہ ہے، اسے تقریباً سو برس پہلے ایک بزرگ حافظ و قاری اسحاق صاحب نے قائم کیا تھا۔ وہ باعمل عالم تھے، پالی کے قیام کے دوران جودھ پور کے لوگوں سے تعلقات تھے۔ خاص طور سے منشی محمد حسین صاحب مرحوم، حاجی غلام مصطفیٰ صاحب۔ ان لوگوں نے پالی والوں پر زور دیا کہ ہم جودھ پور آجائیں، چناں چہ دسمبر ۱۹۴۸ء میں جودھ پور آیا۔ یہاں مدرسہ میں صرف تین کمرے تھے۔ مسجد میں ایک حجرہ تھا، اس حجرہ میں میرا قیام ہوا اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ اسی حجرے میں تدریسی فریضہ انجام دینے لگا۔ اس وقت اس ادارے کی مالی حالت انتہائی کم زور تھی۔"

(معارفِ مفتیِ اعظم راجستھان، ص:۴۱۵)

اقتصادی پریشانیوں کے پیشِ نظر حضرت مفتیِ اعظم راجستھان ذہنی طور پر بوجھل ہونے لگے۔ ۱۹۵۵ء میں حسنِ اتفاق سے خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے شیخِ طریقت خطیبِ اعظم حضرت محدثِ اعظم ہند اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاج دارِ اہلِ سنت حضرت مفتیِ اعظم ہند کی آمد ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں کا قیام دار العلوم اسحاقیہ میں تھا۔ حضرت مفتیِ اعظم راجستھان نے حالات کی سنگینی کا ذکر کیا۔ دونوں بزرگوں نے بڑی توجہ سے آپ کی باتوں کو سماعت کیا۔ حضرت محدثِ اعظم ہند نے فرمایا کہ آپ یہاں سے جانے کی بات کر رہے ہیں، اور ہم دار العلوم اسحاقیہ کا مستقبل بہت روشن دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہماری رائے یہی ہے کہ آپ جودھ پور سے ہرگز نہ جائیں اور دل جمعی کے ساتھ دین و سنیت کی خدمت کریں اور یہ ہمارا نہیں بلکہ

حضرت صدر الافاضل سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کا حکم ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل آپ حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کی زبان سے سنیے۔ حضرت فرماتے ہیں:

"۱۹۵۵ء میں حسنِ اتفاق کہ حضرت محدثِ اعظم ہند، حضرت مفتیِ اعظم ہند، یہ دونوں آفتاب و ماہ تاب یہاں تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ وقت پر تنخواہ بھی نہیں ملتی، بڑی پریشانی ہے۔ دونوں بزرگ اس ادارے کے مختصر سے صحن میں تشریف فرما تھے۔ جب میں نے عریضہ پیش کیا کہ مالی حالت انتہائی کمزور ہے، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں یہ جگہ چھوڑ دوں۔ ان دونوں بزرگوں نے میری گزارشات بغور سنا اور سننے کے بعد حضرت محدثِ اعظم ہند کی زبان سے نکلا، آپ جارہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ادارے کا مستقبل انتہائی شان دار ہے۔ یہاں سے ایسے پھول کھلیں گے جو صرف پورے علاقے کو نہیں بلکہ پورے ملک کو مہکائیں گے۔ پھر دونوں نے دعا کی، اور دعا کے بعد فرمایا: مولانا سنیے! آپ کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ حضرت صدر الافاضل کا حکم ہے۔ آپ رکیے، اس ادارے کا مستقبل بہت روشن ہے۔" (معارفِ مفتیِ اعظم راجستھان، ص:۴۱۵)

۱۹۵۵ء میں ان بزرگوں نے دعائیں فرمائیں۔ ۱۹۵۷ء میں مجاہدِ دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی کا ورود ہوا۔ حضرت سے عرض کیا گیا کہ مدرسے سے قریب ایک حویلی بک رہی ہے، مجاہدِ دوراں نے پوری بات کو سنا اور دوسرے ہی دن جودھ پور کے مسلمانوں میں اعلان فرمادیا کہ جلد ہی اس حویلی کو خریدنا ہے اور سارے پروگرام ملتوی کرکے اس منصوبے کی تکمیل کے لیے میدان میں اتر پڑے۔ جودھ پور کے گلی کوچوں میں چندہ کی حصول یابی کے لیے مہم کی باگ ڈور سنبھالی۔ حضرت نے انتہائی محنت و لگن سے اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی مگر انتظام صرف آدھی حویلی خریدنے کا ہوسکا۔ ایک عظیم خانقاہ کے فرزند ارجمند، مشہور خطیب اور شہرہ آفاق سیاسی قائد کی یہ ایک بڑی قربانی تھی۔ اس وقت مجاہدِ دوراں نے ایک ماہ تک جودھ پور میں قیام فرمایا۔ ۱۹۵۹ء میں دار العلوم اسحاقیہ کا باضابطہ تعمیری کام شروع ہوا۔

۱۹۶۸ء کی بات ہے۔ دار العلوم اسحاقیہ کے دو بڑے ہال جو نیچے اوپر تعمیر ہوئے تھے، جن میں ایک سکنڈری اسکول کا لیبوریٹری روم اور دوسرا لکچر ہال تھا، ۲۶ر ستمبر کو بالائی ہال کی چھت اچانک بیٹھ گئی، اور ملبے کے بوجھ سے پہلی منزل بھی زمین بوس ہوگئی، لیبوریٹری کے بیش قیمت فرنیچر اور ساز و سامان چور چور ہوگئے۔ اس عمارت کی تعمیر میں اہلِ جودھ پور نے بے پناہ اخراجات کیے تھے، جب آنکھوں کے سامنے سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ ۲۸ر اکتوبر کو ایک ہنگامی اجلاس الحاج محمد جی ٹھیکیدار کی صدارت میں منعقد ہوا۔ وحید اللہ خاں نے افتتاحی تقریر کی، اس موقع پر حضرت مفتیِ اعظم راجستھان نے ایک ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ حضرت نے اپنے خطاب میں صحابۂ کرام کے ایثار و قربانی کے رقت انگیز واقعات سنائے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سرکار علیہ السلام نے صحابۂ کرام سے کچھ پیش کرنے کے لیے ارشاد فرمایا، اس موقع پر حضرت فاروق اعظم نے خیال کیا کہ آج ہم اتنا لے جائیں گے کہ سرکار علیہ السلام خوش ہوجائیں۔ اپنے گھر کے تمام سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ بارگاہِ رسول میں پیش کیا۔ اتنے میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صدیقِ اکبر سے دریافت کیا کہ اے صدیق کیا اہلِ خانہ کے لیے کچھ چھوڑا ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا سرکار اہلِ خانہ کے لیے تو اللہ تعالیٰ اور آپ کی محبت ہی کافی ہے۔ مجمع پر حضرت مفتی صاحب کے خطاب کا انتہائی گہرا اثر پڑا۔ اسی لمحے حضرت مفتی صاحب نے اعلان فرمایا میں اپنی، ٹھیکیدار شوکت علی اور ٹھیکیدار عبد الرشید کی جانب سے اعلان کرتا ہوں کہ منہدم عمارت ہم تینوں بنوائیں گے۔ اس اعلان کے بعد مجمع نے بے پناہ مسرت و شادمانی کا اظہار کیا اور یکے بعد دیگرے اپنے اپنے تعاون کا اعلان کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مجمع کی تاریک فضا امید و یقین کے اجالوں میں گم ہوگئی۔

۱۹۸۸ء میں پال سنک روڈ، کمل نہرو نگر جودھ پور میں ایک وسیع زمین خریدی گئی، جس میں اشفاقیہ ہاسٹل کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس خوب صورت عمارت میں طلبہ کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہے۔

۱۹۹۲ء میں اشفاقیہ ہاسٹل کے بالکل سامنے مدرسہ فاطمۃ الزہرا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اب اس عالیشان عمارت میں اہلِ سنت و جماعت کی

طالبات کا معقول انتظام ہے۔

اشفاقیہ انسٹی ٹیوٹ جو تقریباً آٹھ بیگھہ زمین میں ہے، یہ قلب شہر سے آٹھ کلو میٹر کی دوری پر ہے، اس میں جلد ہی تصنیف وتحقیق کے مختلف شعبے قائم کیے جائیں گے۔ یہی وہ مقدس زمین ہے جس میں مفتیِ اعظم راجستھان کی آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر رحمت ونور کی موسلا دھار بارش فرمائے۔

حضرت مفتی اعظم راجستھان اپنے علم ودیانت، تقویٰ وپرہیز گاری اور شفقت ومحبت میں ہمیشہ ایک مثالی حیثیت کے حامل رہے۔ آپ نے تعمیر وترقی اور خدمتِ خلق میں بھی بڑے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ آپ نے صرف دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور ہی کو ترقی نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ پورے راجستھان اور اس سے متصل علاقوں میں مدارس اور تحریکوں کا جال پھیلا دیا اور درجنوں ادارے دار العلوم اسحاقیہ کی شاخ کے طور پر برسرِ عمل ہیں۔ آج راجستھان کا گوشہ گوشہ مفتیِ اعظم راجستھان کے احسانات کے بارِ گراں سے بوجھل ہے۔ عام طور پر لوگ اپنے دینی مسائل حضرت ہی سے دریافت کرتے تھے اور اسی طرح اپنے معاملات میں بھی حضرت ہی سے رابطہ رکھتے تھے۔ علماے اہلِ سنت نے آپ کو مفتیِ اعظم راجستھان کا عظیم خطاب عطا فرمایا۔ آپ کے فتاویٰ کے تین رجسٹر تھے، مگر افسوس دو مسودے اب تک دستیاب نہ ہو سکے۔ جو مسودہ ہاتھ آیا وہ ۱۹۶۲ء کا ہے جس میں کثیر موضوعات کے تحت آپ کے فتاویٰ ہیں۔ آپ کوئی باضابطہ قلم کار تو نہیں تھے، مگر جو کچھ لکھتے تھے وہ بہت اہم ہوتا تھا۔ دو کتابیں آپ کی تصانیف میں یادگار ہیں۔ (۱) اعتقاد المؤمنین بان نبینا دافع الخوف والبلاء وشفیع المذنبین۔ (۲) یکین لامکاں محبوب رب العالمین کی آمد، عالم میں دھوم دھام۔

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان ایک عابد شب زندہ دار اور سچے عاشقِ رسول تھے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے سنت مصطفیٰ کا آئینہ نظر آتے تھے۔ آپ سے لوگ مسائل بھی معلوم کرتے تھے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر یہ یقین کر لیتے تھے کہ یہی شرعی حکم ہوگا۔ حضرت مفتیِ اعظم راجستھان نے میری معلومات کے مطابق دو بار سرکار علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ یہ دونوں مبارک خواب ہم حضرت ہی کے بیان سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں:

> ”جب میں پالی میں تھا اس وقت میں نے خواب دیکھا، نصیبہ جاگا، رات کے آخری حصے میں اللہ رب العزت کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہوئی، جیسے ہی اندر حاضری کے لیے آگے بڑھا تو ایک آواز آئی، مڑ کر دیکھا حضرت صدر الافاضل مراد آبادی وہاں نظر آئے۔ میں نے یہ سمجھا کہ اسی توسل سے ہی میں آگے پہنچا ہوں، اصل مزار شریف پر حاضری ہوئی۔ میں اور میرے ساتھ ایک جمِ غفیر، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون لوگ تھے، چوں کہ میں ان کو جانتا نہیں تھا، ہم نے مزار شریف کو صاف کیا، کس چیز سے صاف کیا، میں نہیں بتا سکتا اور ایک ایسی نورانیت میں نے وہاں محسوس کی، جسے میں اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ ایک عجب کیف وسرور کا عالم تھا۔ بہر حال مزار شریف کی حاضری کے بعد ہم سب باہر آئے، فجر کی اذان ہو رہی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔“

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان اس خواب سے خوش تو بہت تھے، لیکن اس خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لیے حضرت صدر الافاضل علامہ شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کی بارگاہ میں خط روانہ کیا۔ حضرت نے جو جواب عنایت فرمایا، اسے آپ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

> ”میں نے اس دن کا خواب لکھ کر حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں ارسال کیا۔ ایک ہفتے کے اندر حضرت صدر الافاضل کا جواب آیا۔ مبارک ہو، مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے ان رفقا سے جو آپ کے ساتھ ہیں، دین کا کام لے گا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کچھ دین کا کام ہو رہا ہے تو یہ اسی خواب کی تعبیر ہے۔“
>
> (معارفِ مفتیِ اعظم راجستھان، ص: ۴۱۳، ۴۱۴)

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان سے سفرِ حرمین طیبین کی تاریخ اور اس سفر وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، حضرت نے انتہائی سکون کے ساتھ درج ذیل بیان نوٹ کرایا۔

"میں نے پہلا حج ۱۹۶۳ء میں کیا، مدینہ پاک میں ایک ماہ قیام رہا اور مدینہ طیبہ میں ایک ہفتہ قیام ہو چکا تھا کہ ایک دن عصر و مغرب کے درمیان مواجہِ اقدس میں باادب سلام عرض کر رہا تھا معًا مجھے خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہو تا کہ میں یہاں بخاری شریف حرفًا حرفًا ختم کر لیتا۔ اس خیال کا اظہار قطبِ مدینہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ و مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ سے کیا۔ فرمایا بڑا مبارک خیال ہے، آج پیر کا دن ہے، آج ہی بخاری شریف پڑھنا شروع کر دو۔ چناں چہ اسی دن بخاری شریف لے کر حرفًا حرفًا پڑھنا شروع کر لیا۔ پندرہ ایام میں بخاری شریف ختم ہوئی اور بخاری شریف دوپہر کے وقت میں ختم کی۔ یہ میرے اس خواب کی تعبیر تھی جو حجِ بیت اللہ کی ادائیگی سے سترہ سال پہلے دیکھا اور یہ خواب رات کے حصے کا ہے۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا، حضور نے ارشاد فرمایا: بخاری لاؤ، ایک صاحب بخاری لانے گئے، میں نے عرض کیا سرکار دعوت قبول فرمائیے، ارشاد فرمایا: دوپہر کی دعوت منظور ہے۔ مدینہ پاک کے قیام کے دوران دوپہر کے وقت بخاری شریف کو ختم کرنا اس خواب کی صحیح تعبیر ہے۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، مارچ: ۲۰۰۷ء)

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کا عشقِ رسول بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مقبول تھا۔ حضرت کی پوری زندگی اعتدال و توازن سے عبارت تھی۔ آپ نے اہلِ سنت کے داخلی اختلافات حل کرانے کی بھی بے پناہ کوششیں کیں اور حضرت کی منصوبہ بند کوششیں بڑی حد تک بار آور بھی ہوئیں۔ حضرت ہر معاملے میں ایک متوازن رائے رکھتے تھے اور کچھ بولنے سے پہلے غور کر لیتے تھے۔ آج بعض لوگ دعوتِ اسلامی اور سنی دعوتِ اسلامی کی مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں، حضرت نے بڑے اعتدال اور توازن کے ساتھ ان کی خدمات کو بھی سراہا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک یہ تنظیمیں اور تحریکیں بنام دین و سنیت اپنے اپنے اصول و ضوابط اور دائرۂ کار کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ جن سے میں پورے طور پر اتفاق کرتے ہوئے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں، بلکہ ہماری نیک خواہشات اور دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ جن میں دعوتِ اسلامی اور سنی دعوتِ اسلامی کا دائرۂ کار عروج و ارتقا کی منازل طے کرتا ہوا ہندوستان کی وسعتوں سے نکل کر بیرونِ ہند جا پہنچا، جیسا کہ اہلِ مشاہدہ کا بیان اس پر شاہدِ عدل ہے۔"

(ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، مارچ: ۲۰۰۷ء، ص: ۱۸)

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان بلا شبہہ ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، زندگی بھر نجدی وہابیوں اور دیوبندیوں کی تردید فرماتے رہے، دو بار آپ نے دیوبندیوں سے علمِ غیبِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر کامیاب مناظرہ بھی فرمایا۔ دورانِ حج آپ نے نجدی اماموں کی اقتدا سے بھرپور پرہیز کیا، بلکہ واپسی پر ایک گراں قدر تحریر بھی لکھی۔

اہلِ سنت کے عظیم محقق و خطیب حضرت علامہ سید محمد قائم قتیل داناپوری علیہ الرحمۃ نے حج و زیارت سے واپسی کے بعد نجدی وہابی اماموں کے پیچھے نماز کی اقتدا کے تعلق سے شرعی حکم تحریر کیا تھا۔ اس وقیع تحریر پر ہندوستان بھر کے نام ور علما سے تائیدی تحریریں بھی حاصل کی گئی تھیں جو بنام "مسئلہ مرغوب" یکجا کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ بابائے ملت حضرت مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی بھی اسی سال حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے تھے۔ نجدیوں نے حرمین طیبین میں رسول دشمنی کے جو قیامت آشوب کرتوت کیے ہیں اور عاشقانِ رسول حجاجِ کرام کے ساتھ سعودی حکومت کے کارندے جو ناز یبا برتاؤ کرتے ہیں، مفتیِ اعظم راجستھان وہ دردناک مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے تھے۔ آپ نے ایک چشم دید شاہد اور بلند پایہ فقیہ کی حیثیت سے علامہ قتیل داناپوری کی تحریر پر ایک مفصل تائیدی تحریر سپردِ قلم فرمائی جو اپنے موضوع پر آج بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس گراں قدر چشم کشا تحریر کے چند حصے ذیل میں پڑھیے:

"الحمد للہ کہ اس سال کاتب الحروف بھی زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوا اور ہر نماز باجماعت پڑھی۔ نجدیوں کی جماعت کے بعد ہماری جماعت ہوتی تھی جس میں ہند و بیرون ہند کے علما و صلحا و عوام شریک ہوتے۔ مدینہ طیبہ میں پنج وقتہ نمازِ باجماعت ریاض الجنۃ میں ہوتی تھی اور مستحب وقت میں جماعت کرتے تھے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بعض نمازوں میں خصوصًا عصر

کی نماز ایسے وقت نجدی امام پڑھاتا ہے جب کہ عندالاحناف عصر کا وقت بھی شروع نہیں ہوتا اور جمعہ کی نماز ضحویٰ کبریٰ کے وقت ہوتی ہے۔ یعنی وقت سے قبل۔

نجدی شرک کی حقیقت: مواجہہ شریف میں اگر جالی شریف کو زائر نے بغیر پیسہ دیے بوسہ دیا، یا مسجد شریف کے ستونوں کو بوسہ دیا، فوراً نجدی سپاہی شرک وبدعت کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔ جب بقول نجدیوں کے یہ فعل شرک ہے تو اس کا فاعل مشرک ہوا اور مشرک اس وقت تک مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک اس فعل سے توبہ کر کے کلمہ نہ پڑھے، چناں چہ نجدی دھرم میں اس کی ضرورت نہیں۔ ان کا شرک چند پیسوں سے دور ہو جاتا ہے۔ چناں چہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک شخص ایک ریال سپاہی کو دے کر جالی شریف سے چند ہاتھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا تو اس سپاہی نے اس زائر کا ہاتھ پکڑ کر جالی کے پاس کھڑا کر کے کہا، بوسہ دو۔ اور ایک ریال تو بہت ہے اگر کسی نے چند قرش دے دیے تو اس کو بھی بوسہ کی اجازت ہے۔ کیا نجدی مفتی و قاضی یہ بتلا سکتا ہے کہ پیسہ دے کر تو بوسہ کی اجازت اور بغیر پیسہ دیے اگر کسی نے بوسہ دیا تو شرک۔

اخبارات وغیرہ میں بادشاہ کو جلالۃ الملک کہتے ہیں، نام نہیں۔ اور سرورِ دوجہاں ﷺ کا جب ذکر کرتے ہیں تو اکثر صرف محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (ﷺ) ایک اخبار میں خود لے کر آیا ہوں۔ سامانِ تعیش حرم شریف کے دروازے پر بکتا ہے، جس میں عریاں تصویریں بھی ہوتی ہیں، اس پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں، مگر فضائلِ رسول ﷺ کی اکثر کتابوں کو جلوا دیا گیا، سعی بلیغ کے بعد بھی علامہ نبہانی کی جواہر البحار وغیرہ دستیاب نہ ہو سکی۔ ایک سنی نے مجھ سے کہا کہ اس کتاب کا ملنا مشکل ہے، کیوں کہ جس کتاب کے متعلق نجدی حکومت کو معلوم ہو جائے کہ اس میں فضائلِ رسول ہیں، اس کو جلوا دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ! مسجد الحرام شریف میں باب ابراہیم کی طرف ایک اونچی جگہ قرآن پاک رکھے ہوئے تھے، اسی جگہ کرسی بچھا کر نجدی سپاہی مع جوتوں کے کرسی پر بیٹھا رہتا ہے۔ بار بار اس کو منع کیا گیا، مگر وہ اپنی خباثت سے باز نہ آیا۔ اس قسم کی بہت سی بیہودگیاں نجدیوں کی نظر آئیں، خدا نجدی کے شر سے بچائے۔۔۔۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ: ۲۰۰۷ء، ص: ۲۷، ۲۹)

راجستھان کے موجودہ وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت اور دیگر بڑے وزرا آپ سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں قبل اشوک گہلوت نے آپ کے دار العلوم اسحاقیہ کو ۳۳/ بیگھہ زمین مبلغ ایک روپیہ میں عطا کی ہے۔ راجستھان کے موجودہ وزیر اعلیٰ کا یہ کارنامہ تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ مقامِ مسرت یہ ہے کہ سٹی انتظامیہ نے اس زمین پر باؤنڈری بنانے کے لیے مبلغ ڈیڑھ کروڑ روپے بھی مختص کر دیے ہیں۔

۲۴/ فروری ۲۰۰۷ء کو دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کے ذمہ داران اور حضرت کے مریدین اور تلامذہ نے عظیم الشان "جشن مفتی اعظم راجستھان" منعقد کیا۔ پروگرام سے قبل شہزادۂ مفتیِ اعظم راجستھان الحاج معین الدین اشرفی ہمارے گھر شاہ آباد ضلع رام پور بھی تشریف لائے۔ ان کے ساتھ دیگر احباب میں الحاج ذوالفقار علی سنبھلی (عرف حاجی بھٹو) مرحوم بھی تھے۔ جشن سے قبل اتفاق سے ہم جودھ پور میں تھے، اسی دوران جشن کی میٹنگ ہوئی جس میں ہم بھی شریک رہے۔

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کی اولین زیارت ہمیں ان دنوں نصیب ہوئی جب ہم شعبۂ حفظ میں مدرسہ اجمل العلوم سنبھل میں زیرِ تعلیم تھے، اس کے بعد فاروقیہ بک ڈپو مٹیا محل دہلی میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ دہلی ملاقات باضابطہ تعارف کے بعد تھی، اسی دن حضرت کے حکم سے انھیں کی معیت میں ہم نے ایک جلسے میں شرکت کا شرف بھی حاصل کیا اور اس کے بعد مسلسل جودھ پور کے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتا اور فیض حاصل کرتا رہا۔ اسی دوران حضرت مفتیِ اعظم راجستھان نے اس بندۂ حقیر مبارک حسین مصباحی بن خلیل احمد مرحوم کو "سند الخلافۃ والاجازۃ" سے سرفراز کیا۔ اس سند کے آخر میں التوقیع للشیخ المعظم کے طور پر حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کا اسمِ گرامی وقار ہے۔ "اشفاق حسین نعیمی غفرلہ القوی، ۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/ ۴/ اکتوبر ۲۰۰۴ء۔

اس سندِ خلافت واجازت میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ ضیائیہ اور سلسلہ چشتیہ اشرفیہ نعیمیہ اجملیہ وغیرہ کے مختلف سلاسل کی خلافتیں اور اجازتیں ہیں۔

جشن مفتیِ اعظم راجستھان میں دینی اور عصری علوم کے ماہرین نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ دن میں دار العلوم اسحاقیہ کے اندر ''مفتیِ اعظم راجستھان سیمینار'' تھا، سیمینار میں بلند پایہ قلم کاروں نے شرکت کی۔ ذمہ داروں نے سیمینار کی نظامت کا بارِ گراں ہمارے ناتواں کاندھوں پر ڈالا اور بفضلہٖ تعالیٰ سب کچھ بخیر وعافیت ہو گیا۔

رات میں عظیم الشان ''جشن مفتیِ اعظم راجستھان'' کا انعقاد ہوا، اس اجلاس میں ہندوستان بھر سے اکابرِ اہلِ سنت نے شرکت فرمائی۔ اہم خطابات ہوئے، اس موقع پر اتر پردیش کے علما اور مشائخ کی جانب سے ذمہ دارانِ جشن کی بارگاہوں میں عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ یہ ''ہدیۂ تبریک'' ایک فریم میں تھا۔ حضرت نے مجمعِ عام میں پڑھ کر ان کی نذر کیا۔

جشن کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اہلِ عقیدت نے حضرت مفتیِ اعظم راجستھان کو چاندی سے وزن کیا۔ یہ زرین لمحات حضرت مفتیِ اعظم راجستھان اور دار العلوم اسحاقیہ کے لیے بڑے یادگار تھے۔ اس موقع پر سات سو سے زائد صفحات پر مولانا اطہر خاں مصباحی اور مولانا محمد شاہد علی مصباحی نے ''معارفِ مفتیِ اعظم راجستھان'' کے نام سے ایک قیمتی دستاویز شائع کیا، مفتیِ اعظم راجستھان کے عقیدت مندوں نے اسے شرکائے جشن علما اور مشائخ کے درمیان تقسیم کیا۔

۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء کو برصغیر کی شہرہ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی رفاہی اور تبلیغی تحریک ''تنظیم ابنائے اشرفیہ'' مبارک پور نے حضور مفتیِ اعظم راجستھان کو ''حافظ ملت ایوارڈ'' سے سرفراز کیا۔ اس موقع پر حضرت مفتیِ اعظم راجستھان نے اپنے گراں قدر تاثرات سے نوازا۔ حضرت مفتی صاحب جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کے بھی بے پناہ مداح تھے۔ اپنی محفلوں میں ان کی دینی اور علمی خدمات کا ذکر خوب کیا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا:

''حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا بڑا اثر آپ کے وطن بھوج پور (ضلع مراد آباد) اور قرب و جوار پر بھی ہے کہ آپ ہی کے صدقے میں بھوج پور اور قرب و جوار کا علاقہ آج تک سنیوں کا گڑھ ہے۔ آپ اگرچہ مبارک پور رہتے تھے، مگر اپنے علاقے سے غافل نہ تھے۔ ان کی اصلاح و ترقی کی بھی فکر کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے علاقے کے لوگ آج بھی حافظِ ملت کے مداح اور عقیدت مند ہیں اور یہ بھی یاد رکھنے کی چیز ہے کہ بالعموم اہلِ فضل و کمال اپنے خطے میں مقبول نہیں ہوتے باہر چاہے ان کی کتنی ہی مقبولیت کیوں نہ ہو، لیکن حضور حافظِ ملت باہر تو باہر اپنے علاقے میں بھی بہت مقبول و محبوب تھے۔ یہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی ایک بڑی خصوصیت ہے، جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔''

حضرت مفتیِ اعظم راجستھان بے پناہ خوبیوں کے حامل تھے۔ ان کی زندگی کا انقلابی دور عہدِ طالب علمی ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ حضرت فطری طور پر انتہائی نیک اور وجیہ تھے۔ رہن سہن اور لباس میں سادگی رہتی تھی، جب کہ معمولاتِ حیات اور گراں قدر کارنامے ہمیشہ سنتِ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھلے رہتے تھے۔ کردار و اخلاق کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے در پر لوگ حاضر ہوتے اور دل کی مرادیں پوری کر کے واپس ہوتے۔ اساتذہ، اراکین اور طلبہ کے ساتھ ان کا رویہ صد قابلِ مبارک باد رہتا۔ مشکل ترین حالات میں بھی آپ نے حق کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ چہرے پر ہلکا تبسم ہر وقت نظر آتا اور بیرونی طلبہ ہوں یا مقامی سب کے ساتھ حسنِ سلوک فرماتے۔ اللہ تعالیٰ انھیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

امامِ علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ

یہ افسوس ناک خبر بھی آپ تک پہنچ چکی ہوگی کہ خواجۂ علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین ۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ء رات ۳/ بج کر ۳۰/ منٹ پر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون. ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بعد نمازِ ظہر آبائی وطن ''سنگھیا'' بائسی، پورنیہ میں آپ کو بصد حسرت و یاس سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کی ولادت موضع ''سنگھیا'' ضلع پورنیہ میں ہوئی، اس موضع میں ایک متمول اور علمی خاندان خواجہ عماد الدین مرحوم کا تھا۔ حضرت امامِ علم و فن کی

والدہ کا انتقال ایامِ رضاعت ہی میں ہو گیا تھا۔ والدِ گرامی حضرت مولانا خواجہ زین الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کی پرورش کی۔ چار سال کی مدت کے بعد والدِ گرامی نے بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کرائی اور ۱۳/ سال کی عمر میں ابتدا سے شرح جامی تک پڑھادیا۔ اس کے بعد آپ بہار کے شہرہ آفاق ادارہ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں داخل ہوئے، اس مشہور ادارہ میں آپ ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۷۵ھ تک رہے۔ ان دنوں اس میں ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری، حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری اور حضرت مولانا یوسف عظیم آبادی علیہم الرحمہ سے بھرپور اکتساب فیض کیا۔ حضرت ملک العلما کے اشارے پر آپ مظہرِ اسلام بریلی شریف تشریف لے گئے۔ ان دنوں دار العلوم مظہرِ اسلام بریلی شریف تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی علمی اور روحانی سرپرستی میں چل رہا تھا۔ علامہ غلام جیلانی اعظمی، شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، علامہ ثناء اللہ مئوی، مولانا معین الدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین جیسے اکابر اساتذہ تھے۔ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۶ء کے ماہِ شعبان میں خلعت و دستار سے سرفراز ہوئے۔

امامِ علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمۃ نے فراغت کے بعد مظہرِ اسلام بریلی شریف سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ پانچ سال یہاں تدریسی زندگی گزار کر تین سال دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ میں رہے۔ پھر مظہرِ اسلام بریلی شریف میں دو سال، منظرِ اسلام بریلی شریف میں ایک سال، جامعہ عربیہ سلطان پور میں آٹھ سال، دار العلوم فیضیہ ایشی پور میں آٹھ سال، جامع اشرف کچھوچھہ میں ایک سال، دار العلوم فیض الرسول براؤں، ضلع بستی میں دو سال، دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں ایک سال، مدرسہ قادریہ بدایوں میں چھ سال اور اب دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور میں سترہ یا اٹھارہ سال سے تھے۔ اسی درس گاہ میں آپ کا وصال پر ملال ہوا۔

جمشید پور جھارکھنڈ میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے عرس کے موقع پر عرس کمیٹی نے آپ کو قائدِ "اہلِ سنت ایوارڈ" اور "عمدۃ العقلاء" کا خطاب دیا۔

امامِ علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسین پرنوی علیہ الرحمۃ گوناگوں اوصاف و کمالات کے جامع تھے، موصوف جدید و قدیم علوم و فنون کے ماہر تھے، عام طور پر جن علوم کے نام سے بھی علما واقف نہیں ہوتے، حضرت خواجہ صاحب ان سے بھی بڑی حد تک واقف تھے۔ ان میں بہت سے علوم کو آپ نے اپنے مشاہیر تلامذہ تک بھی پہنچایا، حضرت خواجہ صاحب اعلانیہ فرماتے تھے:

"بحمدہٖ تعالیٰ مجھے ربِ قدیر نے امام احمد رضا اور مرشدِ برحق سیدنا سرکار حضور مفتیِ اعظم ہند کے وسیلے سے غوثِ پاک کا صدقہ عطا فرمایا اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ہیچمداں درس گاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ، ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر و مقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمالِ ستنیہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علمِ جفر، مناظر و مرایا، رمل و تکسیر، علم الابعاد وغیرہ وغیرہ علوم و فنون کا مطالعہ جاری رکھا۔ ان علوم و فنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں۔"

حضرت امامِ فن سے راقم کی متعدّد ملاقاتیں ہوئیں، ہم نے پہلی بار انھیں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں دیکھا۔ مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فقہی سیمیناروں میں متعدّد بار شرفِ زیارت حاصل کیا۔ بلند اخلاق، نرم خو اور بہت ملنسار تھے۔ ملاقات کے وقت چھوٹے بڑے کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ بے تکلف اور ٹوٹ کر ملتے تھے۔ اپنے اکابر اور مشائخ کا بے پناہ احترام فرماتے تھے۔ حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی اور ان کی تحریکِ اشرفیہ کے بے پناہ مداح رہتے۔ ایک بار آپ نے فرمایا:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور موجودہ دور میں تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی میدانوں میں سب سے زیادہ اور اہم ترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کا معیار و مقدارِ تعلیم اپنی جماعت میں سب سے زیادہ بلند و بالا ہے۔ اور فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علیہ الرحمۃ اس ادارے کے سب سے بڑے خدمات گزار تھے۔

قابلِ مبارک باد ہیں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی جنھوں نے حضرت خواجۂ علم و فن کے ۵۵/ مقالات اور مضامین کا مجموعہ بنام «تحقیقاتِ امامِ علم و فن» مرتب فرمایا۔ اب اس کی روشنی میں خواجہ صاحب کی شخصیت و فکر پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

دعا ہے مولا تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پس ماندگان اور متعلقین کو صبر و شکر کی توفیقِ خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

* * * * *

فقہی تحقیق

تقلید کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمداللہ العلی العظیم ونصلی علی رسولہ الکریم

نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد وہ احکام جن کی صراحت وتفصیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے، ان پر عمل سے متعلق احادیث وسیر کی کتابوں میں صحابۂ کرام کے دو گروہ نظر آتے ہیں:

پہلے گروہ میں حضرات خلفائے راشدین کے علاوہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عبّاس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کی ذوات قدسیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ حضرات قرآن وحدیث ہی میں غور وفکر اور تدبّر واجتہاد کرکے مسائل کا استخراج کرتے، خود ان پر عمل فرماتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس پر عمل کے لیے کہتے۔ اس استخراج مسائل میں کبھی تو سب کا اتفاق ہوتا اور کبھی اختلاف بھی ہوجاتا۔ اختلاف کی صورت میں ہر صحابی عمل تو اپنے ہی استخراج کردہ مسئلہ پر کرتے، مگر دوسرے کے استخراج کردہ مسئلہ کو باطل وناروا نہیں کہتے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ کوئی شخص مہر مقرر کیے بغیر نکاح کرکے انتقال کرجائے تو، اس کی بیوی مہر پائے گی اور مقدار، مہر مثل ہوگی۔ یعنی اس خاندان کی اسی طرح کی دوسری عورت کا جو مہر ہے وہی مہر اس کا بھی ہوگا۔ مگر حضرت علی یہ فرماتے تھے کہ وہ عورت مہر نہیں پائے گی صرف میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔

روی ان ابن مسعودسئل عمن تزوج امرأة ولم یسمّ لها مهرا حتی مات عنها، فاجتهد شهرا وقال بعد ذٰلك: ما سمعت من رسول الله ﷺ شیئًا ولکن اجتهد برائی، فان اصبت فمن الله، وان اخطأت فمنی ومن الشیطان، اری لها مهر مثل نسائها لاوکس ولاشطط. وقال علی وحسبها المیراث ولامهر لها لمخالفة رائه.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال ہوا کہ جو شخص مہر مقرر کیے بغیر نکاح کرکے انتقال کرجائے اس کی بیوی مہر پائے گی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مہینہ تک غور کرنے کے بعد جواب دیا کہ اس تعلق سے میں نے رسول کریم ﷺ سے کچھ نہیں سنا ہے۔ ہاں! اپنے اجتہاد سے بتاتا ہوں اگر میرا اجتہاد درست ہو تو اللہ کی توفیق سے ہوگا؛ اور نادرست ہو تو میری سمجھ کا قصور اور شیطان کا بہکاوا ہوگا۔ میرے اجتہاد میں وہ عورت مہر مثل یعنی اس خاندان کی اسی طرح کی دوسری عورت کا جو مہر ہے وہی مہر پائے گی، کم وبیش نہیں۔ مگر حضرت علی نے فرمایا کہ وہ عورت مہر نہیں پائے گی صرف میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔

(نورالانوار ص۱۸۰)

یوں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔ ان کے برخلاف حضرت امیر معاویہ ایک رکعت الگ سلام سے پڑھتے تھے۔ اس پر حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امیر معاویہ مجتہد ہیں اس لیے اس کو غلط نہیں کہا جائے گا۔

ففی صحیح البخاری عن عکرمة قال: قلت لابن عباس :ان معاویة اوتر برکعة. فقال :انه فقیه. (تطهیرالجنان ازابن حجرهیثمی ص۲۰)

دوسرے گروہ میں عام صحابہ وتابعین ہیں۔ یہ حضرات مندرج بالا صحابۂ کرام کے بتائے ہوئے متفقہ مسائل پر عمل پیرا ہوتے؛ اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس کو جن سے دریافت کرنا ممکن ہوتا یا جس کو جن پر زیادہ اعتماد ہوتا وہ ان سے دریافت کرکے ان کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کرتے۔ یہ حضرات ارشاد قرآنی:

وما کان المؤمنون لینفروا کافة فلولانفرمن کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوافی الدین ولینذروا

قومهم اذارجعوا اليهم لعلهم يحذرون .

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔(توبہ ۱۲۲)

فاسئلواهل الذكران كنتم لاتعلمون.

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔(انبیاء۷)

اور حکم رسالت:

الا سألوا اذالم يعلموافان شفاء العى السوال .

نہ جانتے تھے تو پوچھ کیوں نہیں لیا؟ ناواقفیت کی شفا تو پوچھنے ہی میں ہے" کے مطابق اسی کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

عرف واصطلاح کی زبان میں پہلی قسم کے حضرات کو مجتہد مطلق۔ اور دوسری قسم کے حضرات کو مقلد کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید، دلیل کے بغیر مجتہد کی بات کو مان لینے کا نام نہیں، بلکہ اجمالی دلیل :

فاسئلواهل الذكران كنتم لاتعلمون.

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (انبیاء۷)

الاسألواالذالم يعلموافان شفاء العى السوال .

نہ جانتے تھے تو پوچھ کیوں نہیں لیا؟ ناواقفیت کی شفا پوچھنے ہی میں ہے" کے مطابق اس گمان غالب کی بنا پر کہ مجتہد نے قرآن وحدیث کی تفصیلی دلیل ہی سے یہ مسئلہ مستخرج کیا ہے، مان لینے کا نام تقلید ہے۔ تو در حقیقت مجتہد کی تقلید بھی قرآن وحدیث ہی کی دلیل کو ماننے کا نام ہوا۔

اس لیے وہ حضرات جو قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث میں غور وفکر اور تدبّر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج واستنباط نہیں کر سکتے، یعنی مجتہد نہیں ہیں، ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے دینی احکام پر عمل پیرا ہوں، یعنی مجتہد کے استخراج واستنباط کردہ مسئلہ کے مطابق عمل کریں۔ ان کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر مجتہد کے مذہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد ہی کے استخراج کردہ حکم پر ہی عمل پیرا ہوں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے مجتہد کے استخراج کردہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو گمرہی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ مثلاً :

(۱)-قرآن کریم میں ایک آیت ہے: اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. تم جن باندیوں کے مالک ہو وہ باندیاں تمہارے لیے حلال ہیں۔ (نساء۲۴)

اب اگر کوئی اس آیت کو سامنے رکھ کر ایسی دو باندیوں سے وطی کرنے لگ جائے جو سگی بہنیں ہوں تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔ کیوں کہ قرآن ہی نے دوسرے مقام پر دو سگی بہنوں سے وطی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

وان تجمعوابين الاختين.

اور حرام ہے دو بہنوں کو اکٹھی کرنا۔(نساء۲۳) ۔

اسی لیے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

احلتهاآية وحرمتها آية والتحريم أولىٰ.

ایک آیت نے بظاہر اسے حلال کہا ہے اور دوسری آیت نے حرام بتایا ہے تو حرام ہی مانا جائے گا۔

(۲) کوئی اسی آیت کریمہ: اوماملكت ايمانكم۔ تم جن باندیوں کے مالک ہو وہ باندیاں تمہارے لیے حلال ہیں (نساء، ۲۴) کو سامنے رکھ کر یہ سوچے کہ جب مملوکہ باندیاں حلال ہیں، تو چاہے فطری طور پر ان سے مباشرت (وطی) کی جائے یا غیر فطری طور سے مباشرت (لواطت) کی جائے، بہر صورت حلال ہوں گی؛ اور غیر فطری مباشرت (لواطت) کرنے لگ جائے تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔

(۳) اسی طرح کوئی یہ سوچ کر کہ انّٰی کا ترجمہ 'جیسے' اور 'جس جگہ' دونوں ہوتا ہے ۔آیت کریمہ :نسائكم حرث لكم فأتواحرثكم انّٰى شئتم . تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت ہیں جیسے چاہو اپنے کھیت میں آؤ ۔(بقرہ ۲۲۳) کا ترجمہ یہ کرے کہ 'تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت ہیں جس جگہ چاہو اپنے کھیت میں آؤ' اور بیوی سے غیر فطری مباشرت (لواطت) جیسے فعل قبیح کو جائز سمجھ کر اس کا مرتکب ہونے لگے تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔ کیوں کہ دوسرے دلائل کے علاوہ خود اسی آیت کریمہ کے اشارۃ النص سے بھی حرمت ثابت ہو رہی ہے اس لیے کہ کھیت سے پیداوار مطلوب ہوتی ہے اور اس فعل قبیح سے پیداوار (اولاد) کا امکان ہی نہیں ہے۔ نیز شان نزول سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے ۔حدیث صحیح میں ہے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں یہ بات تھی کہ عورت کو چت نہ لٹا کر کسی اور طریقہ سے مباشرت کی جائے تو بچّہ احول (بھینگا) پیدا ہوتا ہے اس لیے آیت میں ان کی تردید کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کے احول (بھینگا) ہونے نہ ہونے میں طریقۂ

وطی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بیویاں تمھارے کھیت ہیں اپنے کھیت میں پیداوار کے لیے جو طریقہ چاہو اپناؤ۔

(۴) حدیث میں :من شرب الخمر فاجلدوه ..... فان عادفی الرابعة فاقتلوه جو شراب پیے اسے کوڑے مارو دوبارہ سہ بارہ پیے تو دوبارہ ،سہ بارہ کوڑے مارو، چوتھی بار پیے تو قتل کردو، آیا ہے۔ اب اگر کوئی اس حدیث کو سامنے رکھ کر چوتھی بار شراب پینے والے کے لیے قتل کا حکم دے دے تو یقیناً گمرہی ہوگی۔ اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ خواہ کوئی کتنی ہی بار شراب پیے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہر مرتبہ کوڑے ہی مارے جائیں گے۔

(۵) صحیح مسلم میں متعدّد طرق سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ:

جمع رسول الله ﷺ بين الظهرو العصر، والمغرب والعشاء بالمدينة فی غير خوف ولا سفر ولامطر.

نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف، سفر اور بارش کے بغیر بھی جمع بین الصلاتین کیا ہے۔ (ج ا ص ۲۴۶)

اب اگر کوئی اس حدیث کو سامنے رکھ کر بلا عذر گھر پر بھی ایک ہی وقت میں دو نمازوں کے ادا کر لینے کو جائز سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو تو بلاشبہ گمرہی ہوگی۔ کیوں کہ قرآن نے فرمایا ہے :

ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابامو قوتا.

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (نساء ۱۰۳)

خود حضرت ابن عباس ہی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے

من جمع بين الصلاتين من غيرعذر فقداتیٰ بابامن أبواب الكبائر.

جس نے بلا عذر دو نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھ لیں اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ (ترمذی ج ا ص ۴۸)

ابوالعالیہ نے روایت کی ہے:

ان عمر رضی اللہ عنہ كتب الى ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ: واعلم ان جمع مابين الصلاتين من الكبائرالامن عذر.

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو تحریر فرمایا کہ بلا عذر دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس کی روایت کردہ یہ حدیث اور چوتھی بار شراب پینے پر قتل کے حکم کی حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے :

ليس فی كتابی هٰذاحديث اجمعت الامة على ترك العمل به الاحديث ابن عباس فی الجمع بالمدينة من غير خوف ولامطروحديث قتل شارب الخمرفی المرة الرابعة.

میری اس کتاب میں مذکورہ بالا دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس پر بالاجماع عمل متروک ہو۔

(نووی بر حاشیہ مسلم ج ا ص ۲۴۶)

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن کے پیش نظر ایک مسلمان کا ایمان قرآن کریم کے فرمان:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيراًوَ يَهدِی بِهٖ كَثِيرًا.

اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے۔ (بقرہ ۲۶)

اور حدیث پاک کے ارشاد:

نَضَّرَاللّٰهُ عَبدًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقهٍ غُيرُ فَقِيه.

اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سُنی پھر یاد کیا، یاد رکھا؛ اور دوسرے تک پہنچادیا۔ کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوں گے " پر مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

محدث جلیل حضرت ابن عیینہ نے سچ فرمایا ہے :

الاحاديث مضلة الاللفقهاء.

غیر فقیہ، احادیث سے استدلال کریں تو گمراہ ہو جائیں۔

الغرض، قرآن وحدیث اور صحابہ و تابعین کی طرز عمل سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جو حضرات قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث میں غور وفکر اور تدبّر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج واستنباط نہیں کر سکتے، یعنی مجتہد نہیں ہیں، ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے احکامِ شرع پر عمل پیرا ہوں، یعنی مجتہد کے استخراج واستنباط کردہ مسئلہ کے مطابق عمل کریں۔ ان کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر مجتہد کے مذہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر یہی فرض ہے کہ وہ مجتہد ہی کے استخراج کردہ حکم پر عمل کریں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے مجتہد کے استخراج کردہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو بلاشبہ گمرہی میں مبتلا ہوں گے۔

صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین کے دور میں بھی بہت سے

حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز تھے مثلاً امام اوزاعی ، امام سفیان ثوری ،امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی،،امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

یہ حضرات قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث ہی میں غور وفکر اور تدبّر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج و استنباط کرتے ؛اور اس استخراج مسائل میں صحابہ ہی کی طرح کبھی تو سب کا اتفاق ہوتا اور کبھی اختلاف بھی ہوجاتا۔ اختلاف کی صورت میں ہر ایک مجتہد عمل تو اپنے ہی استخراج کردہ مسئلہ پر کرتے ،مگر دوسرے کے استخراج کردہ مسئلہ کو بھی باطل وناروا نہیں کہتے۔ اس لیے عام مسلمانوں کو جن سے دریافت کرنا ممکن ہوتا،ان سے دریافت کر کے انھیں کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کر لیتے ۔ مگر جب زمانۂ رسالت سے دوری بڑھ گئی ، خیر القرون کا عہد ختم ہوچکا، تو عام مسلمانوں میں دینی احکام پر عمل سے متعلق وہ جذبۂ فراواں جو صحابہ و تابعین میں پایا جاتا تھا باقی نہ رہا۔ کتنے ہی لوگ عزیمتو ں کی بجائے رخصتوں کے متلاشی ہوگئے ، اور ڈھونڈ ڈھونڈکر مجتہدین کے استخراج کردہ وہ مسائل جن میں ان کے خواہشات نفس کی تکمیل کی صورت نظر آتی،اختیار کرنے لگے مثلاً:

(۱)بیوی سے صحبت کی جائے اورانزال نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق غسل فرض ہوجاتا ہے، غسل کیے بغیر اسی حالت میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی ؛اورامام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق غسل فرض نہیں ہوتا ہے، غسل کیے بغیر اسی حالت میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لہٰذا غسل کی کلفت سے نجات کے لیے امام شافعی کے استخراج کو بہانہ بنانا شروع کیا۔

(۲)یوں ہی اپنی شرم گاہ چھو لینے سے، امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق وضو نہیں ٹوٹتا ہے، دوبارہ وضو کرنا فرض نہیں ؛ اور امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق وضو ٹوٹ جاتا ہے، اب نماز پڑھنی ہو تو دوبارہ وضو کرنا فرض ہے ؛ لہٰذا وضو کی کلفت سے نجات کے لیے امام شافعی کی بجائے امام ابوحنیفہ کے استخراج کا سہارا لینا شروع کیا۔

(۳)اسی طرح منی، امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق ناپاک نہیں ہے، تو منی لگے ہوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ؛ اور امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق ناپاک ہے، تو منی لگے ہوئے کپڑے پہن کر نماز نہیں ہوگی ؛ لہٰذا کپڑے کو دھونے کی کلفت سے بچنے کے لیے امام ابوحنیفہ کی بجائے امام شافعی کے استخراج کی آڑ لینی شروع کی۔

(۴)ایسے ہی نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، تو امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق نماز نہیں ہوتی ہے ؛اورامام ابو حنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق نماز گو مکروہ ہو، مگر ہوجاتی ہے۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھنے سے چھٹکارا پانے کے لیے امام شافعی کی بجائے امام ابوحنیفہ کے استخراج کو ڈھال بنانا شروع کیا۔

اس طرح کچھ لوگ اپنے آپ کو شریعت کا تابع بنانے کی بجائے شریعت کو اپنی تابع بنانے لگے ،تو شخص واحد کی تقلید فرض ہوگئی تاکہ شریعت کی مصلحتوں میں خلل نہ ہو اور نظم وضبط برقرار رہے۔

اگر ہَوا وہَوَس کے اس زمانہ میں شخص واحد کی تقلید فرض نہ ہو، کسی بھی امام کے استخراج واستنباط کے مطابق عمل کی اجازت رہے، تو لوگوں کو شریعت سے کُھل کھیلنے کی آزادی مل جائے گی۔ کیونکہ مثلاً:

امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق دو گواہ کی موجودگی میں نکاح منعقد ہوجاتا ہے اگرچہ اعلان نہ ہو، لیکن دو گواہ نہ ہوں تو منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ اعلان ہوجائے ۔ اس کے برعکس امام مالک کے استخراج و استنباط کے مطابق اعلان نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ گواہ موجود ہوں ،اوراعلان ہو جائے تو منعقد ہوجاتا ہے اگرچہ گواہ موجود نہ ہوں ؛ اورامام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق ولی کی اجازت نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ گواہ موجود ہوں، اور ولی کی اجازت ہو تو منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اعلان نہ ہو۔ اس کے برخلاف امام احمد بن حنبل کے استخراج واستنباط کے مطابق غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ ولی کی اجازت ہو، گواہ بھی موجود ہوں، اور اعلان بھی ہوجائے۔

اب اگر شخص واحد کی تقلید فرض نہ ہو تو ایک عورت، امام مالک کے استخراج واستنباط کے مطابق ولی کی اجازت اور گواہوں کے بغیر، اعلانیہ غیر کفو مرد سے نکاح کر کے کچھ دنوں اس کے ساتھ رہے گی ـــ پھر امام احمد بن حنبل کے استخراج واستنباط کو بہانہ بنا کر پہلے شوہر کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایسے دوسرے مرد سے جو اس کا کفو ہو، نکاح کر کے اس کے ساتھ ہوجائے گی، اور یہ بے چارہ شوہر مُنھ دیکھتا رہ جائے گا ـــ پھر ابھی کچھ ہی دن گذرے ہوں گے کہ امام شافعی کے استخراج واستنباط کو آڑ بنا کر ولی کی اجازت سے اعلان کیے بغیر، کسی تیسرے سے شادی رچا کر اس کا پہلو گرم کرے گی، اور پہلا، دوسرا دونوں شوہر مُنھ دیکھتے رہ جائیں گے ـــ پھر جب اس شوہر سے بھی جی بھر جائے گا، تو امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کو آڑ بنا کر دو گواہوں کی موجودگی میں چوتھے مرد سے نکاح

کرلے گی، اور پہلے کے تینوں شوہر مُنھ تکتے رہ جائیں گے۔

اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ الانصاف میں فرمایا ہے :

اعلم ان الناس کانوافی المأة الاولی والثانیة غیرمجتمعین علی التقلید بمذهب معین وبعدالمأتین ظهر فیهم التمذهب وقل من کان لایعتمدعلی مذهب مجتهدبعینه وکان هٰذاهوالواجب فی ذٰلك الزمان. فان قیل کیف یکون شئ واحدواجبافی زمان وغیرواجب فی زمان مع ان الشرع واحد. قلت:الواجب الاصلی هوتقلید من یعرف الاحکام الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة اجمع علی ذٰلك اهل الحق فاذا کان للواجب طرق متعددةوجب تحصیل طریق من الطرق من غیرتعین واذاکان له طریق واحدتعین ذٰلك الطریق بخصوصه کماکان السلف لایکتبون الحدیث ثم صارفی یومنا هٰذا کتابة الحدیث واجبةلان روایة الحدیث واجبة لان روایة الحدیث لاسبیل لها الامعرفة هٰذه الکتب، وکان السلف لایشتغلون بالنحووالصرف واللغة لان لسانهم کانت عربیة ثم صار فی یومنا هٰذا معرفتها واجبة.

پہلی دوصدیوں تک مذہب معین کی تقلید پر لوگوں کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ یہ تیسری صدی میں ہوا، اس وقت شاید وباید ہی کچھ لوگ مذہب معین کی تقلید سے آزاد رہے ہوں ۔ یہاں کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ جو چیز (مذہب معین کی تقلید) پہلے زمانہ میں غیر واجب رہی وہی چیز بعد کے زمانہ میں واجب کیسے ہوگئی ؟ تو میں کہوں گا کہ اس پر توشروع ہی سے اہل حق کا اجماع تھا کہ بلا تعین مجتہد کی تقلید واجب ہے اور قاعدہ ہے کہ حصول واجب کے کئی طریقے ہوں تو بلا تعین کسی بھی طریقہ کی تحصیل واجب رہتی ہے لیکن جب واجب کے حصول کی ایک ہی صورت ہو تو متعیّن طور پر اسی صورت کی تحصیل واجب ہوجاتی ہے۔ جیسے سلف اپنے زمانوں میں احادیث کی روایت زبانی ہی کرتے تھے، لکھتے نہیں تھے، پھر بعد کے زمانوں میں لکھے ہوئے کے مطابق روایت کرناواجب ہوگیا۔ کیونکہ اب روایت حدیث کی یہی صورت رہ گئی۔ اسی طرح سلف، نحو وصرف اور علم اللغۃ کی تحصیل نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کی زبان ہی عربی تھی۔ پھر اس زمانہ میں ان علوم کی تحصیل واجب ہوگئی۔

پھر فرمایا ہے:

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدین سرالهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم علیه من حیث یشعرون اولا یشعرون .

خلاصہ یہ کہ مجتہدین کی تقلید کرنے میں وہ راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علما کو الہام فرمایا اور انہیں اس پر اجماع کی توفیق دی۔ چاہے لوگ اس کا ادراک کرسکیں یا نہ کرسکیں۔

عقد الجید میں فرمایا ہے:

اعلم ان فی الاخذ بهٰذه المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة، وفی الاعراض عنها کلها مفسدة کبیرة ونحن نبیّن لك بوجوه. احدها ان الامة اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون علی الصحابة وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وهٰکذا اعتمد العلماء فی کل طبقة من قبلهم والقبول یدل علی حسن ذٰلك واذا تعین الاعتماد علی اقاویل السلف فلا بدان تکون اقاویلهم التی یعتمد علیها مرویة باسناد صحیح او مدونة فی کتب مشهورة ولیس مذهب من المذاهب بهٰذه الصفة الاهٰذه المذاهب الاربعة. وثانیها قال رسول الله ﷺ: اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار. ولما اندرست المذاهب الحقه الاهٰذه الاربعة کان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم (باب تاکیدالاخذ بهٰذه المذاهب الاربعة الخ (ص: ۳۷، مکتبه حقیقة ترکی)

یادرکھیے کہ ان چار مذاہب کو اختیار کرلینے میں عظیم مصلحت ہے اوران سے اعراض کرنے میں بڑی خرابی۔ جس کی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ شریعت کی معرفت کے لیے اسلاف پر اعتماد کے سلسلہ میں امت کا اجماع ہے۔ اسی بنا پر تابعین نے صحابہ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ کے علما پر اعتماد کرتے چلے آئے۔ جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد متعیّن ہوگیا تو ضروری ہے کہ اسلاف کے یہ اقوال جن پر اعتماد کیا جائے صحیح سندوں سے مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔ اور یہ بات اس وقت مذاہب اربعہ کے علاوہ کہیں نہیں پائی جاتی۔............ (باقی، ص:۱۸ پر)

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ **مفتی محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

غیر مسلم مکھیا کی دی ہوئی سولر لائٹ مسجد میں لگانا

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ گاؤں کا مکھیا جو ہندو ہے، وہ سرکاری فنڈ سے مسجد میں سولر لائٹ دے رہا ہے، تو کیا اس کا استعمال مسجد کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ دلیل شرعی سے جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب

سرکاری فنڈ میں مسلمانوں کا بھی حق ہے، اس لیے مکھیا سرکاری فنڈ سے جو سولر لائٹ دے رہا ہے وہ مسلمانوں کا حق ہے، مسلمان اسے اپنا حق سمجھ کر لے لیں پھر اپنی طرف سے مسجد میں لگادیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکام کو رشوت دینے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ زید صوبہ گجرات میں الیکٹرانک کانٹے کا کاروبار کرتا ہے، یہ کانٹا ہمارے ہی یہاں تیار ہوتا ہے۔ ہم اس کانٹے کی سپلائی گجرات گورنمنٹ کو کرتے ہیں، لیکن حکام کچھ لیے بغیر خریداری کا آرڈر اور بل پاس نہیں کرتے، وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلماً ایسا کرتے ہیں، اگرچہ کانٹے میں کوئی کمی نہیں ہوتی، سب کچھ درست ہوتا ہے، پھر بھی وہ رشوت مانگتے ہیں۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کانٹے کی سپلائی کے لیے حکام کو رشوت دینا کیسا ہے؟ ناجائز ہونے کی صورت میں کیا حل کی کوئی راہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مذہبِ اسلام میں رشوت دینا بھی ناجائز و گناہ ہے اور رشوت لینا بھی ناجائز و گناہ ہے۔ ہاں اپنا جو حق پہلے سے ثابت ہو اور وہ بغیر رشوت دیے نہ مل سکے تو بدرجۂ مجبوری صاحبِ حق کو دینا جائز مگر لینا بہرحال حرام و گناہ ہے۔ حکومت کے ہاتھ سے اپنا کوئی سامان بیچنا یہ کوئی ایسا حق نہیں ہے، جو حکومت کے ذمہ پہلے سے ثابت و مقرر ہو۔

لہٰذا اس کے لیے رشوت دینا ناجائز ہے، جیسا کہ لینا بھی ہر حال میں ناجائز و حرام ہے۔

البتہ یہ امر یہاں غور طلب ہے کہ آج اس طرح کا کوئی بھی کام بغیر رشوت دیے نہیں ہو پاتا، بلکہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی رشوت دینا ناگزیر ہوتا ہے، رشوت کی گرم بازاری کے ایسے دور و ماحول میں اگر اس سے بچنے کی کوشش کی جائے تو ہمارے سیکڑوں کام لٹکے رہ جائیں اور ہم انھیں بروئے کار نہ لاسکیں گے، اس لیے آج کے زمانے میں اس پر اجتماعی غور و فکر کی ضرورت ہے لعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امرا۔

فی الحال حکم اصل مذہب کے مطابق عدم جواز کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ کنکشن کا حکم

میں ضلع پونہ مہاراشٹر کا رہنے والا ہوں، میں کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ کا بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ کیبل ٹی وی میں ایک وائر سے ٹی وی کو کنکشن دیا جاتا ہے، لوگ ٹی وی پر دینی چینل، نیوز چینل، بزنس چینل، ٹی وی سیریل اور فلم دیکھتے ہیں کنکشن لینے والے ہر مہینے چارج دیتے ہیں۔ ملنے والا چارج ہی ہماری کمائی ہوتی ہے۔ کیا میں یہ بزنس کرسکتا ہوں یا نہیں؟

کیبل انٹرنیٹ بھی ایسا ہی بزنس ہے جس سے کسٹمرز کو انٹرنیٹ کنکشن دیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگ کاروبار کے ایڈورٹائز دیتے ہیں، ای میل بھیجتے ہیں، پروڈکٹ خرید و فروخت کا کام ہوتا ہے، اس پر لوگ فلمیں بھی دیکھتے ہیں۔

ان دونوں بزنس میں ہم صرف سروس دیتے ہیں، اس کا استعمال

لوگوں پر ڈیپنڈ ہوتا ہے، میں یہ بزنس کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب

کیبل ٹی وی چینل اور کیبل انٹرنیٹ سے کنکشن کا کاروبار عام حالات میں ناجائز و گناہ ہے، کیوں کہ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ کے جائز و ناجائز ہر طرح کے پروگرام دیکھنے، سننے کا ذریعہ یہ کیبل ہے۔ یہ کیبل کاٹ دیا جائے تو پروگرام کا سلسلہ ہی کٹ جائے گا، تو اس کے ساتھ جیسے جواز و اطاعت کے پروگرام قائم ہیں ویسے ہی حرمت و معصیت کے پروگرام بھی قائم ہیں، لہٰذا صرف جائز اور طاعت کے پروگرام کے لیے کیبل سے کنکشن دینا جائز ہے اور ناجائز پروگرام کے لیے کنکشن دینا ناجائز، چوں کہ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہر طرح کا جائز و ناجائز پروگرام دیکھ سکتے ہیں بلکہ تجربہ یہ ہے کہ دیکھتے اور سنتے بھی ہیں، اس لیے اس کاروبار کی اجازت نہیں۔ ارشادِ باری ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. واللہ تعالیٰ أعلم

فرضی مزار پر فاتحہ پڑھنا ناجائز و گناہ ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلۂ ذیل میں۔

(۱)-زید ایک گاؤں کا امام ہے جو اپنے آپ کو سنی صحیح العقیدہ بتاتا ہے مگر اسی گاؤں کا ایک آدمی جو اپنے کو مستان کہلواتا ہے، اس نے قبرستان میں ایک مٹی کے ڈھیر کو شہید بابا کا مزار قرار دے رکھا ہے، جہاں نیاز و فاتحہ دیتا دلواتا ہے، جب کہ سبھی گاؤں والوں کو معلوم ہے کہ یہ مٹی کا ڈھیر ہے، پھر بھی کچھ لوگوں کے دباؤ میں آکر امام نے بھی فاتحہ پڑھنا شروع کر دیا۔ بعد کچھ دنوں کے لوگ معترض ہوئے اور جائز و ناجائز کی باتیں شروع ہوئیں، زید فتوے کی زد میں آیا تو توبہ کر لی۔ مگر سوال یہ ہے کہ-

(الف)-زید کی توبہ سے پہلے جو اس کی اقتدا میں نمازیں پڑھی گئیں اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

(ب)-کیا لوگوں کے مجبور کرنے پر شریعت کے قانون کے خلاف کرنا جائز ہے؟

(ث)-ایسے امام کے معاون و مددگار کے لیے شرع میں کیا حکم ہے؟

(ج)-جس امام کے رہنے سے گاؤں برادری میں اختلاف ہو اس کو گاؤں میں رہنا جائز ہے؟

(۲)-بکر بالغ و مسلم ہے، لیکن اس نے بت (مورتی) کو اگربتی دکھا کر پوجا کی، گاؤں گھر برادری والے کہیں باہر چلے گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ کلمہ نہ پڑھ سکا۔ سوال یہ ہے کہ کیا امام کو وقت دینا جائز و درست ہے۔ مذکورہ امام اور امامت کا شرع میں کیا حکم ہے، وضاحت فرمائیں۔

(۳)-مذکورہ امام رخصت پر گھر جاتا ہے تو نماز کا پابند نہیں رہتا، یہاں تک کہ خاص لوگوں و رشتہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ نماز پڑھتا ہی نہیں اور جب یہاں ہوتا ہے تو بھی کبھی کبھار دیکھا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے کو امام بنا سکتے ہیں؟ حکمِ شرع کیا ہے؟

(۴)-زید مذکورہ امام محرم و غیر محرم وغیرہ کی تمیز نہیں رکھتا، وہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاتا ہے، کیا ایسے کو امام بنایا جا سکتا ہے؟

(۵)-بلا وضو اذان دی جا سکتی ہے؟ بلا وضو اذان دینے کو لازم کر لینا کیا جائز و درست ہے؟ جمہور علمائے اہلِ سنت کا موقف اور تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

(۱)-جس جگہ کوئی ولی یا عالم یا مسلمان مدفون نہ ہو وہاں فرضی قبر یا مزار بنانا ناجائز و گناہ ہے۔ یہ لوگوں کو اعتقادِ فاسد میں مبتلا کرنا ہے۔ یہ ایک بری بدعت ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ اگر زید کو یہ معلوم تھا کہ مزار فرضی ہے، پھر بھی اس نے وہاں جا کر فاتحہ پڑھی اور سائل کا بیان ہے کہ کئی سال تک پڑھتا رہا تو وہ گنہ گار فاسقِ معلن ہے، اس کے پیچھے توبہ سے پہلے جتنی نمازیں پڑھی گئیں سب کو دوہرانا واجب ہے۔ فقہائے کرام نے مطلقاً فرمایا:

"كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها."

وجوبِ ادا کی پوری تحقیق "رد المحتار باب قضاء الفوائت" میں ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں ہے:

قبرِ بلا مقبور کی زیارت کی طرف بلانا اور اوس کے لیے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جب کہ وہ اس پر مصر ہے اور بہ اعلان اسے کر رہا ہے تو فاسقِ معلن ہے اور فاسقِ معلن کو امام بنانا گناہ اور پھیرنی واجب۔ اس جلسۂ زیارتِ قبرِ بے مقبور میں شرکت جائز نہیں۔ زید کے اس معاملے سے جو خوش ہیں، خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں، سب گنہ گار و فاسق ہیں۔ قال

اللہ تعالیٰ:" وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. " بلکہ وہ بھی جو باوصفِ قدرت ساکت ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:" كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. " (کتاب الجنائز، ج:۴، ص:۱۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)-صورتِ مسئولہ میں امام پر واجب تھا کہ بکر سے توبہ کرا کے فوراً کلمہ پڑھاتا اور مشرف بہ اسلام کرتا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا، اس لیے وہ گنہ گار ہوا، بکر جب پہلے سے مسلمان تھا تو اس پر فرض تھا کہ خود ہی توبہ کر کے کلمہ پڑھ لے یا گاؤں کا کوئی بھی مسلمان اسے توبہ کرا کے کلمہ پڑھا دیتا، جو لوگ بھی ایسا کر سکتے تھے اور جانتے ہوئے انھوں نے ایسا نہ کیا وہ سب گنہ گار ہوئے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

"من رای منكم منكرا فليغير بيديه."

یہ ایسا منکر ہے جس کی شناعت سے ہر مسلمان آگاہ ہے اور آبادی میں بہت سے مسلمان ایسے ہوتے ہیں جو توبہ اور کلمہ پڑھا سکتے ہیں، اس لیے ایسے سارے لوگوں پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں علانیہ توبہ کریں اور احتیاط اس میں ہے کہ امام توبہ کے ساتھ تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح بھی کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳-۴)-ایسا امام فاسقِ معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵)- بلا وضو اذان نہ دینا چاہیے، یہ بے ادبی اور مکروہ ہے۔ ہاں اذان ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ☆☆☆☆

(ص:۱۵/ کا بقیہ)..... دوسری وجہ یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: سوادِ اعظم کا اتباع کرو، جو اس سے جدا ہوگا جہنم میں جا گرے گا۔ اب چونکہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی اور مذہب اس طور پر باقی نہیں اس لیے انہیں کی پیروی سوادِ اعظم کی پیروی ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ میں فرمایا ہے:

ومما يناسب هٰذ المقام التنبيه علىٰ مسائل ضلّت فى بواديها الافهام، وزلّت الاقدام وطغت الاقلام، منها ان هٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامّة. او من يعتدبه منها. على جواز تقليدها الىٰ يومنا هٰذا وفى ذٰلك من المصالح مالا يخفىٰ لاسيّما فى هٰذه الايّام الّتى قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذى راى برايه. (ج۱ص۱۵٤)

اس مقام پر مناسب ہے کہ چند ایسی باتوں پر تنبیہ کر دی جائے جن کی گہرائیوں میں عقلیں گم ہو گئیں، قدم پھسل گئے، اور قلم سرکشی پر اتر آئے اور وہ یہ کہ یہ چاروں مدوّن و محرر مذاہب کی تقلید درست ہونے پر پوری امت یا کم سے کم ارباب حل وعقد کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس میں بڑی مصلحتیں ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں۔ خاص طور سے اس زمانہ میں جب ہمتیں بہت زیادہ قاصر ہو چکی ہیں نفس خواہشات کا خوگر ہو چکا ہے، اور ہر ذی رائے اپنی ہی رائے پر عُجب میں مبتلا ہے۔

یوں تو اس زمانہ میں بہت سے مجتہدین ہوئے جنہوں نے وہ احکام جن کی صراحت و تفصیل قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے، قرآن و حدیث ہی میں غور و فکر کر کے مسائل کا استنباط و استخراج کیا مگر امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے علاوہ کسی نے اسے اس طرح مدون نہیں فرمایا کہ آج براہ راست ان کی معلومات حاصل کر کے ان پر عمل کیا جا سکے۔

خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل پر کہ انہوں نے صرف مسائل کے استخراج و استنباط پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جن مسائل کو مستنبط کیا ان کو باقاعدہ تحریر کی شکل بھی دے دی، اس لیے ان حضرات کے مستنبط کردہ مسائل آج تک موجود و محفوظ ہیں۔ باقی حضرات نے مسائل تو مستنبط کیے مگر انہیں باقاعدہ تحریر کی شکل نہیں دی اس لیے ان کے مستنبط کردہ مسائل محفوظ نہیں رہ پائے۔

لہٰذا قرآن و حدیث کے غیر مصرح مسائل پر عمل کے لیے یہی چار مذہب متعیّن رہے۔ آج اگر کسی کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر ان چار مذاہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر یہی فرض ہے کہ انہیں مذاہب کے مطابق عمل کریں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے ان مذاہب میں بیان شدہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو بلاشبہ گمرہی میں مبتلا ہوں گے۔ ☆☆☆☆

شام پر امریکی حملہ
اور زمینی حقائق

مولانا محمد فروغ القادری

شام مشرقِ وسطیٰ کا ایک بڑا اور تاریخی ملک ہے۔ اس کا مکمل نام "الجمھوریۃ العربیۃ السوریۃ" ہے۔ اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی ہے۔ دنیا کے قدیم ترین ملک شام نے ۱۹۴۶ء میں فرانس کے قبضے سے آزادی حاصل کی۔ ۲۳؍ ملین نفوس پر مشتمل شام میں ۹۰ء۳فی صد عرب اور ۹ء۷فی صد کرد، آرمینین، سیریائی اور دیگر قبائل شامل ہیں۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیب، سامی اقوام اور زبانوں نے اسی سرزمین سے جنم لیا۔ شہر عبیل سے ۱۹۷۵ء میں سامی سلطنت تہذیب کا بہترین نوادراتی اثاثہ ملا، جس میں سترہ ہزار خالص چاندی کی تختیاں تھیں۔ شام پر کنعانیوں، عبرانیوں، اسیریائی قبائل کا بھی قبضہ رہا ہے۔ رومیوں، بازنطینیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور عربوں نے بھی باضابطہ شام پر حکومت کی ہے۔

مسلمانوں نے دمشق کو ۶۳۶ء میں فتح کیا۔ اس کے بعد ۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک وہاں اموی سلطنت قائم رہی، جس کے حدود ہسپانیہ سے وسط ایشیا تک تھیں۔ ۷۵۰ء میں عباسیوں نے امویوں کو سلطنتِ خلافت سے بے دخل کر کے بغداد کو مرکز بنایا۔ ۱۲۶۰ھ میں مملوکوں نے دمشق کو دوبارہ دار الخلافہ بنایا، مگر امیر تیمور نے ۱۴۰۰ء میں دمشق اور گرد و نواح کو تباہ و برباد کر دیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں شام زیادہ تر سلطنت عثمانیہ کے زیرِ نگیں رہا۔ ۱۹۱۶ء میں برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا، جس کے بعد لیگ آف نیشنز کے ذریعہ اقتدار فرانس کو سونپ دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں فرامس اور برطانیہ کے مشترکہ مفادات کے نتیجے میں ایک کٹھ پتلی حکومت قائم ہوئی، کچھ ہی عرصہ بعد شام کا زیادہ تر علاقہ فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں دمشق میں فیصل بن حسین کی حکومت قائم ہوئی اور ۱۹۱۹ء میں عام انتخابات کے نتیجے میں ایک پارلیمنٹ قائم ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں فرانسیسی افواج نے شام پر مکمل قبضہ کر لیا اور شام کو ۱۹۲۱ء میں چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جن میں ایک لبنان بھی شامل تھا۔ فلسطین کے بارے میں انگریزوں نے ۱۹۱۷ء ہی میں ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی منظوری تھی۔ اسی اثنا میں شام میں کئی مزاحمتی تحریکوں نے جنم لیا۔ ۱۹۳۲ء میں شام میں پہلی دفعہ آزادی کا اعلان ہوا، مگر پارلیمنٹ اور کابینہ فرانس کی مرضی سے بنے۔ زمینی حقائق کے پیش نظر تمام تر جدوجہد کے باوجود بدقسمتی سے شام اس وقت ایک آزاد ملک نہ بن سکا۔ آزادی کی تحریکیں چلتی رہیں، فرانس نے ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے بہانے شامی پارلیمنٹ ختم کر دی۔ ۱۹۴۰ء میں جرمنی نے فرانس پر قبضہ کر لیا مگر شام پھر بھی آزاد نہ ہو سکا۔ برطانوی اور فرانسیسی افواج نے ۱۹۴۱ء میں شام کو روند ڈالا۔ فرانس نے ۱۹۴۳ء میں شام میں ایک بار پھر پارلیمنٹ تشکیل دی اور ۱۹۴۴ء میں فرانس نے معاہدۂ آزادی کیا مگر ساتھ ہی ۱۹۴۵ء فرانسیسی افواج نے دمشق کے اردگرد گھیرا ڈال کر زبردست بمباری کی اور پارلیمنٹ کی عمارت تباہ کر دی۔ اس وحشت ناک بمباری میں شامی حکومت کے افراد کے علاوہ دو ہزار سے زیادہ عام لوگ، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت شام کے صدر شکری القوتلی تھے۔ ان کے عزم اور حوصلے کے باعث ہی فرانس گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا اور اسے اگلے سال ہی شام خالی کرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے فرانس اور برطانیہ دونوں کمزور ہو گئے تھے، فرانس نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ مزید شام پر اپنا قبضہ بحال نہیں رکھ سکتا تو اس نے شام کو آزادی دینے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۴۶ء میں فرانس نے ۱۹۴۴ء میں کیے جانے والے معاہدۂ آزادی کو دوبارہ تسلیم کر لیا اور ۱۵؍ اپریل ۱۹۴۶ء کو فرانس اور برطانوی افواج شام سے نکل گئیں اور ۱۷؍ اپریل ۱۹۴۶ء کو شام نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جس کا نام "الجمھوریۃ العربیۃ السوریہ" رکھا گیا۔

۳۰؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک فوجی بغاوت ہوئی جس نے شام کی

حکومت پر قبضہ کر لیا۔ عوامی دباؤ پر ۱۹۵۵ء میں انتخابات ہوئے اور ایک غیر فوجی حکومت قائم ہوئی۔ ۲۲/ فروری ۱۹۵۸ء کو مصر اور شام نے اتحاد کیا اور ایک متحدہ ملک قائم ہو گیا جس کا نام متحدہ عرب جمہوریہ رکھا گیا۔ مگر ۲۸/ ستمبر ۱۹۶۱ء میں سامراجی قوتوں کی ایما پر ایک اور فوجی بغاوت ہوئی جس نے یہ اتحاد ختم کر کے شام کو دوبارہ ایک الگ ملک کی حیثیت دے دی۔ پھر ۸/ مارچ ۱۹۶۳ء کو بعث پارٹی کے لوگوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ۲۳/ فروری ۱۹۶۶ء کو اسی پارٹی کے حافظ الاسد نے حکومت پر قبضہ کر کے صدر امین الحفیظ کو برطرف کر دیا۔ ۱۰/ جون ۲۰۰۰ء کو حافظ الاسد کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے "بشار الاسد" نے صدارت سنبھالی۔ انھوں نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد سابقہ حکومت کی نسبت شخصی آزادی میں بہتری کی صورت تو پیدا کی تاہم عرب اسپرنگ تحریک کے ساتھ ہی ۲۰۱۱ء سے بحرین، مصر، تیونس اور لیبیا کی طرح شام بھی خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حادثے ایک دن میں نہیں ہوتے، شام میں بدامنی کی ایک طویل داستان رہی ہے، اپریل ۱۹۴۶ء میں فرانس سے آزادی حاصل کرنے والے شام کو ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان فوجی حکومتوں اور بغاوتوں کا سامنا رہا ہے۔ جب کہ یہ ملک ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۱ء تک ایمرجنسی قانون کا شکار رہا ہے۔ موجودہ شامی صدر بشار الاسد ۲۰۰۰ء سے حکمراں ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں اس خطے میں جنم لینے والی عرب اسپرنگ تحریک نے شام میں خانہ جنگی کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں عرب لیگ نے شام کی رکنیت معطل کر دی ہے۔ اقوامِ متحدہ کا کہنا ہے کہ شام میں ۱۰/ ہزار سے زائد لوگ مارے جا چکے ہیں۔ مئی ۲۰۱۲ء میں حکومت شام کی جانب سے حولہ کے مقام پر شہریوں کی ہلاکت میں بھاری اسلحے کے استعمال پر اقوامِ متحدہ نے شدید مذمت کی اور اس واقعے پر فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، اسپین، کینیڈا اور آسٹریلیا نے شامی سفارت کاروں کو اپنے اپنے ملکوں سے نکال دیا۔ اکتوبر میں شام اور ترکی میں کشیدگی میں اضافہ ہوا اور دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے لیے فضائی پابندیاں لگا دیں۔ عالمی برادری نے متاثرہ شامی علاقوں کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر کے امدادی پیکیج دینے کے وعدے کیے۔ اپریل ۲۰۱۳ء میں برطانیہ اور امریکہ نے حکومتی فورسیز کی طرف سے کیمیاوی ہتھیاروں کے استعمال کی تفصیلی رپورٹ کا مطالبہ کیا ہے۔

شامی حزبِ اختلاف نے الزام عائد کیا ہے کہ ۲۱/ اگست ۲۰۱۳ء کو دمشق کے مضافات میں کیمیاوی ہتھیاروں کے حملوں میں ایک ہزار سے زائد لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ مہلک کیمیاوی ہتھیاروں سے لیس راکٹوں سے دمشق کے مضافاتی علاقے "غوتہ" میں سرگرم باغیوں پر حملے کیے گئے، جب کہ حکومتی خبر رسا ایجنسی "سانا" نے ان دعوؤں کو بے بنیاد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا مقصد اقوامِ متحدہ کے معائینہ کاروں کی توجہ ہٹانا ہے۔ اس حملے کا الزام ایک ایسے وقت میں لگایا گیا جب اقوامِ متحدہ کے معائینہ کار شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے الزام کی تحقیقات کے لیے پہنچے تھے۔ امریکی صدر بارک اوباما کا کہنا ہے کہ شام میں کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال امریکہ، ان کے حلیف اور دنیا کے کئی ممالک کے لیے خطرہ ہے۔ اور وہ کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے جواب میں "محدود کارروائی" پر غور کر رہے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری کے مطابق کیمیائی ہتھیاروں کے حملے میں پندرہ سو افراد ہلاک ہوئے ہیں جس میں ۴۲۶/ بچے بھی شامل ہیں۔ شامی حکومت نے ہلاکت خیز کیمیائی حملے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حملہ شامی باغیوں نے انجام دیا ہے۔

صدر بشار الاسد کی فوج کی طرف سے اپوزیشن کے جنگجو حامیوں کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کو بہانہ بنا کر امریکہ نے شام پر فوج کشی کا جو منصوبہ بنایا ہے اگرچہ اسے تاہنوز بین الاقوامی حمایت حاصل نہیں ہو سکی، اس کے باوجود امریکی انتظامیہ نے اپنے لانگ رینج بمبار طیاروں کو حملے کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے۔ تاہم عالمی رائے عامہ کے مخالفانہ ردِ عمل کے باعث امریکی وزیر خارجہ مسٹر جان کیری نے کہا ہے کہ شام پر حملہ محدود پیمانے پر ہو گا اور وہاں زمینی فوج بھی نہیں اتاری جائے گی۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ امریکہ شام کے خلاف فوجی کارروائی کی حمایت کے لیے عرب لیگ، یورپی یونین، اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے ارکان اور خود امریکی کانگریس پر زبردست دباؤ ڈال رہا ہے۔ لیکن اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ لیتھونیا میں ہونے والی یورپی یونین کی کانفرنس میں امریکی کی حمایت پر اتفاقِ رائے نہیں ہو سکا، برطانیہ اور قبرص نے اس مقصد کے لیے اپنے اڈے استعمال کرنے کی اجازت دینے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیا ہے۔ ادھر پیرس میں گزشتہ دنوں امریکی وزیر خارجہ نے عرب وزرائے خارجہ سے ملاقات کی۔ عرب ممالک

کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ شامی حکومت نے مخالفین پر کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں لیکن سعودی عرب اور قطر کے علاوہ تمام عرب ممالک شام پر فوجی حملے کے معاملے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ ادھر سلامتی کونسل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بھی امریکی کوششیں ناکامی سے دوچار ہیں۔ اس حوالے سے امریکہ نے جتنی بھی قرار دادیں پیش کی ہیں روس اور چین نے اسے ویٹو کر دیا ہے۔ رائے عامہ کے ایک سروے میں ۷۰ر فی صد فرانسیسی عوام نے شام میں امریکی مداخلت کی مخالفت کی ہے۔ اس پر فرانسیسی حکومت بھی امریکہ پر زور دے رہی ہے کہ اس سے پہلے سلامتی کونسل سے رجوع کیا جائے اور اس مسئلے کے حل کے لیے سفارتی ذرائع اختیار کیے جائیں۔ صدر اوباما اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بین الاقوامی طور پر انھیں اس تعلق سے حمایت ملنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ خود امریکی کانگریس بھی اس کی مخالفت کر چکی ہے۔ اگر اس کے باوجود امریکی صدر اوباما شام پر حملے کے فیصلے پر عمل درآمد گزریں گے تو دنیا عراق، لیبیا اور افغانستان کی طرح ایک اور مسلم ملک میں تباہی اور خون ریزی کے بھیانک مناظر دیکھے گی۔ شام نے اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے کہ اس کی فوج نے حکومت مخالف مسلح سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے معائنہ کار ابھی اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اس رپورٹ کی تفصیل اور الزامات کی صداقت منظرِ عام پر آنے سے پہلے ہی شام پر حملے کے فیصلے اور اس کے حق میں عالمی حمایت حاصل کرنے کے لیے امریکی انتظامیہ کی دوڑ دھوپ ناقابلِ فہم ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور عزائم کارفرما ہیں۔ مطلق العنان بادشاہوں اور آمرانہ حکومتوں کے خاتمے اور جمہوریت کے قیام کے نام پر عرب ملکوں میں تباہی و بربادی کا کھیل ایک عرصہ سے جاری ہے۔

دنیا میں ایسی کوئی عالمی عدالت نہیں جو محض انسانی بنیادوں پر کسی ملک میں فوجی مداخلت کی اجازت دے۔ ۱۹۹۰ء میں کوسووا اور روانڈا کے تباہ کن قتل عام کے بعد ایسا قانونی ڈھانچہ تشکیل دینے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۹۵ء میں اقوامِ متحدہ نے اس مسئلے میں کچھ پیش رفت کی اور اس سلسلے میں ایسا مسودہ تیار کیا گیا جسے تحفظ کی ذمے داری یا (Responsibility to Protect(R2P کا نام دیا گیا۔ عالمی طور پر تو نہیں مگر وسیع پیمانے پر اسے قانون کی حیثیت سے باضابطہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس قانون کے تین بنیادی نکات ہیں:

اول یہ کہ ریاستیں اپنے عوام کو نسل کشی، جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم سے بچائیں، ان جرائم کی روک تھام میں ممالک یا ریاستوں کی مدد عالمی برادری کی ذمے داری ہے۔ اگر عالمی برادری سمجھے کہ کسی ریاست یا ملک میں نسل کشی یا انسانیت سوز جرائم کیے جا رہے ہیں اور مذکورہ ممالک اس کی روک تھام کے لیے کوئی اقدام نہیں کر رہے ہیں یا ناکام ہو چکے ہیں تو عالمی برادری اس کے لیے پر امن اقدامات کر سکتی ہے۔ اگر ایسے ذرائع کے استعمال بھی ناکامی سے دوچار ہو جائیں تو پھر اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل سے اجازت لے کر اس ملک کے خلاف فوجی طاقت کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ کارروائی کے قانونی جواز کے لیے سلامتی کونسل سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سلامتی کونسل عالمی قوانین میں طاقت کے استعمال کے حوالے سے ایک بنیادی ثالث کا کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس حوالے سے برطانوی خبر رساں ادارہ لکھتا ہے کہ شام کے معاملے میں یہ شاید ممکن نہ ہو۔ کیوں کہ سلامتی کونسل کے ایک سے زیادہ رکن ملک کی جانب سے مداخلت کی مخالفت کی وجہ سے اتفاقِ رائے کی شدید کمی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں قانونی ڈھانچہ R2P فوجی طاقت کے استعمال کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اس قانون میں تحفظ کے کئی نکات ہیں۔ محدود طاقت کے استعمال میں تمام معیارات کو جانچا جاتا ہے، اگر وہ درست ہوں تو پھر محدود اور معین فوجی طاقت کا استعمال عالمی قوانین اور R2P کے تحت قانونی ہوگا۔ حتمی طور پر ان حالات میں فوجی مداخلت کا فیصلہ حکومتوں کے پاس ہوگا نہ کہ وکلا کے پاس۔ لیکن حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ فوجی مداخلت کے لیے اپنا موقف پیش کریں اور ظاہر کریں کہ تمام قانونی ضروریات پوری کی گئی ہیں۔ شام کے معاملے میں یہ ممالک دلیل دیں گے کہ ملک میں سفاکی اور ظلم جاری ہے اور اسے روکنے کے تمام پر امن ذرائع استعمال کیے جا چکے ہیں اور اب فوج کشی ہی اس کا آخری حل ہے۔

روس نے شام کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا الزام مسترد کر دیا ہے۔ روس نے شام میں فوجی مداخلت پر واضح لفظوں سے خبر دار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسی کوئی بھی کارروائی پورے خطے کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ روس کا کہنا ہے کہ سلامتی کونسل کو بائی پاس کر کے خطے میں فوجی مداخلت کے لیے بے بنیاد جواز

تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس سے شام میں نئے مسائل پیدا ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے دوسرے ممالک پر بھی تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ روس نے امریکہ اور عالمی برادری پر زور دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کی سختی سے پاس داری کریں اور خاص طور پر اقوامِ متحدہ کے منشور کے بنیادی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ادھر برطانوی دار العوام (House of Commons London) کے اراکین نے بھی حکومت کی جانب سے شامی حکومت کے خلاف ممکنہ فوجی کارروائی کی مخالفت میں ووٹ دیا ہے۔ حکومت کی جانب سے دار العوام میں پیش کی گئی قرار داد کو تیرہ ووٹوں سے شکست دی گئی۔ قرار داد کے حق میں ۲۷۲ جب کہ مخالفت میں ۲۸۵ ووٹ آئے۔ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ڈیوڈ کیمرون کی جماعت کنزرویٹیو پارٹی (Conservative Party) کے ۳۰٪ جب کہ اس کی حلیف جماعت لبرل ڈیمو کریٹس (Liberal Democrates) کے ۹٪ اراکین نے اس قرار داد کے خلاف ووٹ دیا۔ برطانوی وزیر اعظم نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دار العوام نہیں چاہتا کہ کارروائی کی جائے اور حکومت اس کے مطابق کام کرے گی۔

British prime ministe Mr. David Cameron told MP's those supporting a strong responxe to Syria following use chemical weapons made a powerful case, but insisted that a political settlement is only way to end the conflict in the middl east country.

اس قرار داد کے بعد شام پر ممکنہ فوجی کارروائی میں برطانیہ کا کردار تقریباً ختم ہوچکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ تاہم بین الاقوامی قانون کے مطابق صرف سیکورٹی کونسل ہی سزا دے سکتی ہے۔ اور ریاستیں انفرادی طور پر کسی ریاست کو خود سزا نہیں دے سکتیں۔ امریکی اوباما کی جانب سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے سرخ لکیر کھینچنے نے اسے عالمی منظر نامے میں تنہا کر دیا ہے۔ اس کے خود ساختہ دباؤ نے اسے ایک نئے مخمصے میں الجھا کر رکھ دیا ہے۔ امریکہ اپنی عسکری برتری کے باوجود شام پر تنہا حملہ آور ہونے کی غلطی نہیں کرے گا۔ عراق اور افغانستان میں اس کے نتائج وہ دیکھ چکا ہے، جب کہ جزوی طور پر وہاں دوسرے ممالک بھی امریکی حلیف بن کر شریکِ جنگ رہے۔ اس مشکل سے نکلنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ واشنگٹن کو اقوامِ متحدہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے شام کو اقوامِ متحدہ کے ذریعہ سزا دلوانے پر زور دینا چاہیے۔ وہ بھی اس وقت جب کہ شام کا جرم پوری طرح ثابت ہو جائے۔ لیکن اوبامانے اس راستے کا انتخاب نہیں کیا۔ اس کے بجائے امریکہ نے یک طرفہ طور پر شامی صدر بشار الاسد کو قصور والا گردانا۔ جس کے نتیجے میں اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ واشنگٹن کے شام میں مداخلت کے پیچھے جغرافیائی تزویری سوچ بھی کارفرما ہوسکتی ہے۔ کم از کم ان مشیروں کی جانب سے جو کہ اوبامہ کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ اس زاویے سے شام کے خلاف کارروائی کی نیت ایران کے لیے اشارہ ہوگی۔ وسیع تر جغرافیائی سیاسی منظر نامے پر شامی حکومت کے کمزور ہونے سے اس کے طاقت ور اتحادی یعنی ایران اور حزب اللہ بھی کمزور ہوں گے، اس طرح ان کی جانب سے اسرائیل کو در پیش خطرات زائل ہوجائیں گے۔

مغربی مبصرین اور ذرائع ابلاغ کا یہ کہنا ہے کہ شام پر فوجی کارروائی کے لیے جس طرح کے مقدمات بارک اوبامانے تیار کیے ہیں وہ ان مقدمات سے بہت کمزور اور پیچیدہ ہیں جو جارج بش نے عراق کے معاملے میں تیار کیے تھے۔ جب کہ عراق جنگ کے حقائق دنیا کے سامنے آچکے ہیں۔ عراق جنگ کی تفصیلی رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اپنے ہی عوام کے سامنے درونِ ملک جو ہزیمت اٹھانی پڑی ہے وہ سب پر واضح ہے۔ عالمی رائے عامہ ہموار نہ ہونے کے باوجود اگر امریکہ شام پر حملہ کرنے میں کامیاب بھی ہوگیا تو وہ نظریاتی لحاظ سے بہت بڑے اور مضبوط دشمن کو دمشق میں بطور حکمراں لے کر آئے گا۔ یہ دشمن القاعدۃ اور النصرۃ کے ماتحت چلنے والا سلفی جہادی گروپ ہے۔ صورت حال اس طرح مزید پیچیدہ ہوجائے گی کہ اس میں فرقہ واریت اور مسلکی ترجیحات کا عنصر شامل ہوجائے گا۔ شام میں جس قدر انبیاے کرام، صحابۂ کرام اور اولیاے عظام کے مزارات مقدسہ کی بے حرمتی ہوئی ہے، اسے باضابطہ منصوبے کے تحت منہدم کیا گیا ہے، اس میں بھی سلفی وہابی جہادی گروپ کی کارستانیاں شامل رہی ہیں۔ یہاں شیعہ اور سنی دونوں

طبقات کے جنگ جو جہادی اور شدت پسند لڑاکے پہلے ہی سے متحارب ہیں۔ ان میں جو بھی جیت گیا وہ امریکہ اور صدر اوباما کے لیے ایک نیا بحران پیدا کردے گا۔ ان تمام تر حقائق کے باوجود امریکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ فرقہ واریت اور مسلکی عصبیت کے نتیجے میں پورا عالمِ اسلام خانہ جنگی کا شکار رہے اور ایسے حالات میں اسے مشرق وسطیٰ میں براہِ راست مداخلت کا موقع ملتا رہے گا۔

جیسے جیسے افغانستان، عراق اور دیگر ملکوں میں جنگیں ختم ہو رہی ہیں، مذہب کے نام پر دہشت گردی کی کارروائی انجام دینے والے سفاک اور قاتل دنیا کے مختلف حصوں سے یہاں پہنچ رہے ہیں اور بشار الاسد کے مخالف شدت پسندوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ جب اوباما دمشق کے قصر شاہی پر بمباری کرکے بشار الاسد کو نکال باہر کردیں گے تو ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر زمامِ اقتدار کن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا، حکومتی ذمے داریاں کون سنبھالے گا، بغداد کی طرح سقوطِ دمشق کے بعد اس بات کا واضح امکان ہے کہ مقامی افراد اور باہر سے آئے ہوئے جہادیوں کے مابین لڑائی کتنے برسوں تک جاری رہ سکتی ہے۔ اوباما کا کہنا ہے کہ اگر دنیا کارروائی کرنے میں ناکام رہی تو اس سے بین الاقوامی برادری اور کانگریس کی ساکھ داؤ پر لگ سکتی ہے۔ اس سے مطلق العنان حکمرانوں اور آمروں کو یہ پیغام ملے گا کہ وہ اپنے ظلم کے ساتھ حکمرانی کا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ دراصل امریکہ کا ہدف شام نہیں بلکہ ایران ہے جسے جوہری ہتھیاروں سے روکنے کا عزم بھی شامل ہے۔ شام تو صرف فوجی کارروائی کے لیے ایک بہانہ ہے۔

عالمی منظر نامے پر گہری نظر رکھنے والی خاتون سفارت کار ڈاکٹر ملیحہ لودھی کا کہنا ہے کہ آج کی دنیا میں کوئی سپر پاور نہیں ہے۔ ایک بغیر قطب کی دنیا ہے اور ہر بڑے ملک کو اپنے عسکری مقاصد کے حصول کے لیے اتحادیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ڈاکٹر ملیحہ سوال پوچھتی ہیں کہ اگر امریکہ واحد سپر پاور تھا تو وہ عراق اور افغانستان میں کیوں ناکام ہوا؟ لہٰذا امریکہ کو اس وقت لاکھ کی ضرورت ہے اور امریکی صدر اپنے طیارے "ایر فورس ون" میں بیٹھ کر اسے خریدنے کے لیے نکل پڑے ہیں، لیکن اب تک وہ اس میں ناکام رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے گھر میں یہ لاکھ حاصل کرنے میں ناکام رہے تو یہ قیمتی چیز انھیں بیرونی دنیا میں بھی کوئی نہیں دے گا؟

اس جنگی منظر نامے میں مشرق وسطیٰ کے چند عرب ممالک کا کردار بھی سامنے آیا ہے جسے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ برطانوی اخبار "اِنڈی پینڈنٹ" کے مطابق ایک اہم مسلم ملک (سعودی عرب) امریکہ کو شام پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہا ہے۔ وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو شام میں حکومت کی تبدیلی کے لیے اقدامات کرنے پر کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ یہاں لندن سے شائع ہونے والے ایک اخبار نے اس راز کا بھی انکشاف کیا ہے کہ سعودی عرب نے امریکہ کو اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ شام میں ممکنہ فوجی حملے کے تمام اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔ جب کہ خلیجی ممالک عراق جنگ کے اختتام پر کئی بلین ڈالر امریکہ کو بطور معاوضہ ادا کرچکے ہیں۔

شام میں سعودی عرب کی جنگی دل چسپی کی بنیادی وجہ اس کا مسلکی اور فقہی اختلاف ہے۔ شامی باغیوں کو مالی امداد کے پس منظر میں اس کے یہی مقاصد کارفرما ہیں جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہے۔ سعودی عرب شام میں مداخلت کے ذریعہ ان تمام مزارات مقدسہ اور شعائر اللہ کا انہدام چاہتا ہے جو وہ سرزمین حجاز میں توحید کے نام پر اپنی مذہبی دہشت گردی کا مظاہرہ کرچکا ہے۔ لبنانی اخبار "السفیر" کے مطابق روسی صدر ولادیمر پوتن نے روسی فوج کو باضابطہ یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ شام پر مغربی ملکوں کے حملے کی صورت میں اس اہم اسلامی ملک پر چڑھائی کردے۔ اس پر حملے کے حوالے سے روسی فوج کو "ارجنٹ ایکشن میمورینڈم" جاری کردیا ہے۔

برطانوی اخبار کی رپورٹ کے مطابق روس کا موقف ہے کہ شام میں جاری حکومت اور باغیوں کے درمیان جنگ کے پیچھے اس اہم مسلم ملک (سعودی عرب) کا ہاتھ ہے اور اس کے ساتھ بعض مغربی ممالک بھی اس سازش میں برابر کے شریک ہیں۔ موجودہ صورتِ حال میں جب کہ امریکہ شدید ترین مالی بحران اور معاشی تنزلی کا شکار ہے وہ اس پوزیشن میں ہرگز نہیں کہ وہ اپنے عرب اتحادیوں کے بغیر شام پر تنہا حملہ آور ہوجائے۔

☆☆☆☆

مثال کی ضرورت واہمیت

محمد آصف اقبال

اللہ عزوجل نے انسان کو عقل کے نور سے مزین فرمایا تاکہ انسان صحیح وغلط میں فرق کرسکے۔ پھر عقل کے لحاظ سے انسان مختلف درجات میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی زیادہ عقل مند تو کوئی کم عقل اور کوئی ان دونوں کے درمیان ہے۔ پہلے درجے والے عقلی ہو یا حسی ہر بات فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے درجے والے انسانوں کو عقلی وعلمی باتیں سمجھنے میں کافی غور وفکر سے کام لینا پڑتا ہے جبکہ تیسرے درجے والے حقائق علمی کو ذرا سی توجہ کرنے سے سمجھ جاتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے کہ بعض انسان کم عقل اور کم فہم ہیں تو انہیں عقلی اور غیر محسوس بات سمجھانے کے لیے کسی ایسی شے کا سہارا لینا پڑتا ہے جو ان کے لیے دیکھی بھالی ہو، ان کے عادات اور روزمرہ سے تعلق رکھتی ہو اور وہ شب وروز اس کا نظارہ کرتے ہوں۔ جیسے کسی کم عقل کو یہ بات سمجھانی ہو کہ ''عمر غیر محسوس طریقے سے بڑھتی ہے'' یعنی پتا بھی نہیں چلتا اور عمر بڑھتی جاتی ہے تو اب اسے یہ مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جاسکتا ہے کہ '' دیکھو یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کے بال یا ناخن بڑھتے ہیں اور آپ کو پتا نہیں چلتا۔'' اس مثال سے کم عقل آپ کی بات اس لیے سمجھ جائے گا کہ بال وناخن کا غیر محسوس طریقے سے بڑھنا وہ دن رات ملاحظہ کرتا ہے۔ یوں ہی ''عمر تیزی سے ختم ہو رہی ہے'' اس بات کو ہم یوں مثال دے کر سمجھاتے ہیں ''انسان کی عمر اس تیزی سے ختم ہو رہی جیسے برف پگھلتی ہے۔''

پھر حال یہ ہے کہ ہم صبح شام یہ کہتے نظر آتے ہیں ''مثال کے طور پر''، ''مثلاً''، ''جیسے''، ''یا اسے یوں سمجھ لو'' اور ہمارا ٹیچر ہمیں بار بار ''for example'' کہہ کہہ کر سمجھاتا ہے۔ اس طرح ہم مثال دے کر بات سہولت کے ساتھ دوسرے کو ذہن نشین کرادیتے ہیں۔ الغرض عقلی ابحاث میں وضاحت وتشریح کے لیے '' مثال'' کا کردار ناقابل انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق کو واضح وروشن اور انھیں ذہن کے قریب کرنے میں ہم ہمیشہ مثال کے محتاج ہیں کیونکہ کبھی ''ایک مثال'' مقصود سے ہم آہنگ کرنے اور وضاحت کے سلسلے میں ایک کتاب کا کام کرتی ہے اور مشکل مطالب کو سب کے لیے عام فہم بنادیتی ہے۔ مثال کے خوبصورت اور عام فہم ہونے کی وجہ سے تمام تہذیبوں نے اسے قبول کیا ہے، یہ ان کی تہذیبی طاقت کی علامت ہے، انہوں نے اس سے استفادہ کیا اور اسے عمدہ وپسندیدہ چیزوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ، امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مثالیں دینا عقلی طور پر پسندیدہ امور میں سے ہے۔ (تفسیر کبیر، ج۱، ص۳۶۲)

معلوم ہوا کہ '' مثال'' کو ہماری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مثال کی تعریف: مثال ومثل کے لغوی معنی ''مانند، نمونہ، نظیر، تشبیہ'' وغیرہ ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: ضَرْبُ الْاَمْثَال اِعْتِبَارُ الشَّيْءِ بِغَيْرِهٖ یعنی کسی شے کو اس کے غیر کے ساتھ جانچنے وپرکھنے کو مثال دینا کہتے ہیں۔ (لسان العرب، ج۱، ص۵۴۷)

اس کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر علاء اسماعیل حمزاوی ''الأمثال العربية والأمثال العامية'' کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں:

''أَنَّ الْمَثَلَ هُوَ جُمْلَةٌ خَيَالِيَةٌ ذَائِعَةُ الْاِسْتِخْدَامِ ، تَدُلُّ عَلَى صِدْقِ التَّجْرِبَةِ اَوِ النَّصِيْحَةِ اَوِ الْحِكْمَةِ ، يَرْجِعُ اِلَيْهَا الْمُتَكَلِّمُ وَقَدِيْمًا عَرَفُوْا الْمَثَلَ بِأَنَّهُ حِكْمَةٌ شَعْبِيَّةٌ قَصِيْرَةٌ تَتَدَاوَلُ عَلَى الْاَلْسِنَةِ ، اَوْ هُوَ جُمْلَةٌ غَالِبًا مَا تَكُوْنُ قَصِيْرَةً ، تُعْبَرُ عَنْ حَدْثٍ ذِيْ مَدْلُوْلٍ خَاصٍ ، لَكِنْ يَبْقَى عَلَى الْمُسْتَمِعِ تَخْمِيْنُهُ

ترجمہ: مثال وہ خیالی جملہ جس کا استعمال عام ہو جو حقیقی تجربہ یا نصیحت یا حکمت پر دلالت کرتا ہو اور کلام کرنے والا اس سے یہی ارادہ کرے اور لوگ شروع ہی سے مثال کو پہچانتے ہوں کہ یہ زبانوں پر جاری، عوامی مقبولیت رکھنے والی اور حکمت بھری بات ہے یا مثال عمومی طور پر اس مختصر جملے کو کہتے ہیں جو خاص شے پر دلالت کرنے والی بات کو بیان کرتا ہو مگر اس کا اندازہ لگانا سننے والے پر موقوف ہوتا ہے۔''

اور تاج العروس میں شرح نظم الفصیح کے حوالے سے ہے:

ضَرْبُ الْمَثَلِ اِیْرَادُہٗ لِیُتَمَثَّلَ بِہٖ وَ یُتَصَوَّرَ مَا اَرَادَ الْمُتَکَلِّمُ بَیَانَہٗ لِلْمُخَاطَب.

یعنی ضرب المثل اس لیے لائی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے مشابہت و مماثلت بیان کی جائے اور متکلّم نے جو بات مخاطب سے بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کا تصور کیا جائے۔ (تاج العروس، ج۱، ص۶۸۶)

مثال دینے کا مقصد: مثال دینے (Showing by example) کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں اہل علم و فن نے مختلف الفاظ کے ساتھ رائے کا اظہار کیا ہے مگر سب کا ماحاصل ایک ہی ہے۔ چند آراء ملاحظہ کیجیے:

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مثال سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ معقول چیز محسوس بن کر ہر ایک کی سمجھ میں آجائے اور اس کے ذریعے مضمون کو دل قبول کرے۔

(تفسیر نعیمی، ج۱، ص۲۳۱)

مفسر قرآن و شارح بخاری و مسلم علامہ غلام رسول سعیدی دام ظلہ فرماتے ہیں:

مثال کے ذریعہ ممثل لہ (مقصود) کے معنی کو منکشف کیا جاتا ہے اور امر معقول کو محسوس اور مشاہد کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھ آجائے۔ (تبیان القرآن، ج۱، ص۳۴۰)

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مثال دینے کا مقصد دلوں میں اثر پیدا کرنا ہوتا ہے جو خود اس شے سے نہیں ہوتا کیونکہ مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ خفی بات کی جلی سے اور غائب کی حاضر و موجود شے سے مشابہت و مماثلت بیان کی جائے اور یہ مشابہت اس شے کی ماہیت و حقیقت پر آگاہی میں پختگی پیدا کرتی ہے اور حس کو عقل کے مطابق کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جب ایمان لانے کی ترغیب مثال دیے بغیر ہو تو وہ دل پر اس قدر پختہ اثر نہیں کرتی جتنا کہ اس وقت کرتی ہے جب ایمان کی مثال نور و روشنی سے دی جائے۔ یوں ہی جب تم صرف کفر کا ذکر کر کے ڈراؤ گے تو عقلوں میں اس کی قباحت و برائی اس طرح پختہ نہیں ہوگی جیسا کہ ظلمت و اندھیرے سے مثال کے ذریعے ہوگی۔ اسی طرح اگر تمہیں کسی بات کی کمزوری بیان کرنی ہو تو اس کی مثال مکڑی کے جالے سے دو گے تو یہ اس خبر سے یقینی طور پر زیادہ اثر انگیز ہوگی جو صرف "کمزوری" کے ذکر پر مشتمل ہو۔ (تفسیر کبیر، ج۱، ص۳۱۲)

مثال دینے کا قاعدہ: جو بات قاعدہ و قانون کے تحت کی جاتی ہے وہ اپنی ایک حیثیت رکھتی ہے اور قابل التفات و قابل حجت قرار پاتی ہے ورنہ وہ عبث و فضول ٹھہرتی ہے۔ اسی طرح مثال بیان کرنے کا بھی ایک قاعدہ ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے درج ذیل دو اقتباسات کافی ہیں:

(۱)... "کسی چیز کا جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے اس کی مثال دی جائے گی۔ بڑی چیز کی مثال بڑی اور حقیر چیز کی مثال حقیر چیز، اس پر اعتراض کرنا محض غلط اور بے جا ہے بلکہ یہ تو کمال حکمت ہے کہ مثال اصل کے مطابق ہو حقیر چیزوں کی مثال چھوڑ دینی اور ان کے بغیر مثال لانا ان کے سمجھانے کے لیے کافی نہ ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ مثال اقوال کا چراغ ہے۔ چراغ خواہ سونے کا ہو خواہ مٹی کا روشنی میں فرق نہیں رکھتا۔"

(تفسیر نعیمی، ج۱، ص۲۳۱)

(۲)... "مثال دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس وجہ سے مثال دی گئی ہے اس وجہ سے وہ مثال ممثل لہ کے موافق ہو اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو عظیم چیز سے مثال دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی خست (حقارت) بیان کرنا مقصود ہے تو حقیر چیز سے مثال دی جائے گی۔"

(تبیان القرآن، ج۱، ص۳۴۰)

قرآن کریم اور مثال: یہاں تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ "کسی بات کی وضاحت و بیان کے لیے مثال دینا انتہائی مفید ہے۔" یہی وجہ ہے کہ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس مقدس کتاب میں جابجا "مثالیں" نظر آتی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس کتاب کا مقصد ہی "وضاحت و بیان" ہے جیسے توحید و رسالت، عقائد و نظریات، شریعت و طریقت اور ظاہر و باطن کا بیان وضاحت وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (پ۱۴، النحل:۸۹)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔"

اور مثالیں بیان کرنے کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُہَا لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (پ۲۸، الحشر:۲۱)

ترجمہ ک: اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

قرآنی مثالوں کے اغراض: قرآن کریم میں بیان کردہ مثالوں کی بعض اغراض و مقاصد نیز ان کی چند خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالرحمن میدانی اپنی کتاب "البلاغة العربية اسسها وعلومها وفنونها" کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں:

کلام کو ادبی حسن و جمال سے آراستہ کرنے میں مثالوں کا اہم کردار ہے جب کہ امثلہ ان کی فنی شرائط کے مطابق ذکر کی جائیں ورنہ ان کا ذکر کرنا عبث و بے فائدہ ہوتا ہے۔ میں نے قرآنی امثلہ میں نہایت جستجو و تتبع کیا، میں نے انہیں ان اہم اغراض کے موافق پایا جنہیں بلغا پیش نظر رکھتے ہیں اور وہ اغراض بنی نوع انسان کی اخلاقی تربیت پر مشتمل ہیں۔

مثال کے اغراض و مقاصد:

پہلی غرض: مثال ایسی صورت میں بیان کرنا کہ جو مخاطب کے ذہن کو اصل مقصود کے قریب کردے۔

دوسری غرض: مثال کے ذریعے ایسی دعوتِ فکر دینا جو اطمینان بخش ہو۔

تیسری غرض: مثال عمدہ پیرائے میں بیان کرکے کسی کام کے کرنے کی ترغیب دلانا اور اس کی خوبیوں کو احسن انداز میں بیان کرنا تاکہ قاری اس کی طرف راغب ہو یا کسی فعل سے نفرت دلانا اور اس کی برائیوں کو کھول کر بیان کرنا تاکہ قاری اس بُرے فعل سے متنفر ہو۔

چوتھی غرض: کسی چیز کی امید دلانا تاکہ مخاطب اس کی طرف مائل ہو (جیسے جنت اور اس کی خوبیوں کا بیان) یا کسی شے کا خوف دلانا تاکہ وہ اس سے اجتناب کرے (جیسے جہنم کا تذکرہ اور اس کے عذاب کا بیان)

پانچویں غرض: مثال ذکر کرکے کسی شے کی تعریف کرنا یا برائی بیان کرنا یا اس کی عظمت کو بیان کرنا یا اس سے نفرت دلانا۔

چھٹی غرض: مثال بیان کرکے مخاطب کے ذہن کو تیز کرنا یا اس کی فکری طاقتوں میں جنبش پیدا کرنا تاکہ وہ تدبر و تامل کرکے اصل مقصود و مراد کا ادراک کرے۔

قرآنی مثالوں کی خصوصیات:

میدانی صاحب چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

قرآنی مثالوں میں خوب کوشش کے بعد مجھ پر ان کی یہ ۶ر خصوصیات منکشف ہوئی ہیں:

(۱) مثال بیان کرکے اہم عناصر کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ (۲) مثال گویا چلتا پھرتا بولتا انسان ہو۔ (۳) جس کے لیے مثال بیان کی جارہی ہے اور جسے مثال بنایا جارہا ہے دونوں کے مابین مکمل مماثلت ہے۔ (۴) تشبیہات کی اقسام کو ملحوظ رکھا گیا ہے مثلاً تمثیل بسیط، تمثیل مرکب کہ اس میں جس کے لیے مثال بیان کی گئی ہے اس کے ہر ہر جز سے مثال کی موافقت و مطابقت ہے۔ (۵) مثال، ممثل لہ کی صورت کے مخاطب کے ذہن میں ادراک کا وسیلہ ہے۔ (۶) استنباط کرنے والوں کی ذہانت کی بنا پر کہیں قرآنی امثلہ سے قطعات (چھوٹے چھوٹے محذوفات) کو حذف کردیا گیا ہے اور کہیں ممثل لہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ (البلاغۃ العربیۃ، ص۵۹)

یہ قرآنی مثالوں کی اغراض و مقاصد اور ان کی خصوصیات کی صرف ایک جھلک ہے ورنہ ان کے مقاصد و خصائص اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

قرآن کریم سے تین مثالیں: آئیے اب قرآن کریم سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے کہ وہ کس احسن انداز سے مخاطب کے ذہن کو اصل مقصود کے قریب کرتی، تسلی بخش دعوتِ فکر دیتی اور عمدہ پیرائے میں کسی فعل کی ترغیب دلاتی یا کسی فعل سے نفرت پیدا کرتی ہیں۔

دو قرآنی مثالیں اور ان کی وضاحت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ (پ۱۷، الحج:۷۳)

ترجمہ: اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہوجائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کرلے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔

(۲)...نیز ارشاد فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ. (پ۲۰، العنکبوت:۴۱)

ترجمہ: ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنالیے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر کیا اچھا ہوتا اگر جانتے۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ ان دونوں آیات کے تعلق سے فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کی عبادت اور عبادت رحمن سے ان کی دشمنی کی شناعت و قباحت بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو مکھی کی مثال ہی مناسب تھی کہ ان بتوں سے مکھی کے نقصان کا ازالہ نہیں کیا جاسکتا اور مکڑی کے گھر (جالے) کی مثال دی تاکہ آشکار ہوجائے کہ ان بتوں کی

عبادت اس سے بھی کمزور واضعف ہے۔ایسی مثال میں جس کی مثال دی گئی وہ اضعف ہوتا ہے جب کہ مثال اقوی واوضح ہوگی۔

(تفسیر کبیر،ج۱،ص۳۶۳)

تیسری مثال اور اس کی وضاحت:

(۳)... جب اللہ تعالی نے آیت مقدسہ ''مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ''(البقرۃ:۱۸)اور آیت طیبہ ''اَوْ كَصَيِّبٍ'' (البقرۃ:۱۹) میں منافقوں کی دو مثالیں بیان فرمائیں تو منافقوں نے یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ ایسی مثالیں بیان فرمائے تو حکیم وقادر مطلق رب تبارک وتعالیٰ نے یوں جواب ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (پ۱،البقرۃ:۲۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے کافر وہ کہتے ہیں ایسی کہاوت میں اللہ کا کیا مقصود ہے اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

جسٹس پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمۃ اس کے تحت رقم طراز ہیں:

مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اگر مکھی، مکڑی مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے اس مثال کو ترک نہیں فرماتا، سلیم الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے۔

(ضیاء القرآن،ج۱،ص۴۲)

یہ صرف تین قرآنی مثالیں ہیں جو یہاں ذکر کی گئیں ورنہ جب ہم اس بے مثال کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں علم وحکمت کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے مثالوں کے چراغ انسان کو ہدایت کی روشنی سے ہمکنار کر رہے ہیں۔

احادیث کریمہ سے تین مثالیں: قرآن کریم کی طرح احادیث کریمہ میں بھی مثالوں کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب اور قیامت تک آنے والے امتیوں کو دین کا پیغام آسانی اور وضاحت کے ساتھ سمجھانے کے لیے کئی مواقع پر روز مرہ زندگی سے مثالیں دی ہیں۔یہاں بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی مثال اور اس کی وضاحت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے گھر بنایا اور اس کے سجانے اور سنوارنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی مگر کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔لوگ اس کے گرد پھرتے اور تعجب سے کہتے ہیں، بھلا یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں میں سارے انبیا سے آخری ہوں۔(صحیح بخاری، کتاب المناقب، الحدیث:۳۵۳۵ج۲،ص۴۸۴)

اہل اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضور خاتم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔اس عقیدۂ ختم نبوت کا منکر کافر ومرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس حدیث شریف میں بڑے ہی عمدہ پیرائے میں ایک عام فہم مثال کے ذریعے ختم نبوت کا عقیدہ سمجھایا گیا ہے تاکہ عامی سے عامی شخص بھی سمجھ جائے مگر کیا کریں کہ ''خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے'' کے مترادف مرزا غلام احمد قادیانی جو بزعم خود عقل وفہم میں یکتا اور عربی دانی میں بے نظیر ہونے کا مدعی تھا، اس آسان سی مثال کو نہ سمجھ سکا یا پھر جان بوجھ کر نہ سمجھا اور نبوت کا جھوٹا دعویدار بن بیٹھا اور اپنے لیے دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی خرید لی۔

دوسری مثال اور اس کی وضاحت: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس پر پت جھڑ نہیں آتا (اس کے پتے نہیں جھڑتے) اور وہ مسلمان کی مانند ہے۔مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ ابن عمر کا کہنا ہے کہ لوگوں کا دھیان جنگلی درختوں کی طرف چلا گیا۔عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میرے ذہن میں آگیا کہ ہو نہ ہو کھجور کا درخت ہو، مگر حیا آڑے آئی آخر کار صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتلائیے وہ کون سا درخت ہے۔فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، الحدیث:۷۲، ج۱، ص۴۳)

اس حدیث شریف میں مومن کی مثال کھجور کے درخت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح کھجور کا تقریباً ہر جز نفع بخش ہوتا ہے، اسی طرح مومن کا ہر فعل نفع بخش ہوتا ہے۔

اس تشبیہ کی وجوہ بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن وشارح صحیحین علامہ غلام رسول سعیدی دام ظلہ فرماتے ہیں :

کھجور کے درخت میں بہت خیر ہے، اس کا سایا ہمیشہ رہتا ہے، اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور یہ پھل اکثر دستیاب ہوتا ہے، اس کا تازہ پھل کھایا جاتا ہے، سوکھنے کے بعد چھوارا بن جاتا ہے، وہ بھی مختلف طریقوں سے کھایا جاتا ہے، اس کے تنے سے شہتیر کا کام لیا جاتا ہے، اس کے پتوں سے چٹائیاں، رسیاں، برتن اور پنکھے بنائے جاتے ہیں حتی کہ اس کی گٹھلیاں بھی کام آتی ہیں، ان سے تسبیح بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج سے اس کو بہت ثواب ملتا ہے، اپنے اہل وعیال کے رزق کی طلب کے لیے وہ جو کسب معاش کرتا ہے وہ بھی کار ثواب ہے، دوستوں اور عزیزوں سے جو نیک سلوک کرتا ہے اس سے بھی اس کو ثواب ملتا ہے، حصول سنت کی نیت سے اس کا کھانا پینا، سونا جاگنا اور اہل وعیال اور ماں باپ کے حقوق ادا کرنے سے بھی اس کو ثواب ملتا ہے، غرض اس کے ہر نیک عمل میں ثواب ہے۔ (دوسرے) جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جاتی ہیں، اسی طرح مومن کے ایمان کی جڑیں اس کے سینہ میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کے نیک اعمال کی شاخیں آسمان کی طرف چڑھی ہوتی ہیں۔ (نعمۃ الباری، ج۱، ص۳۰۹)

تیسری مثال اور اس کی وضاحت:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھنے والوں اور توڑنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی کے سواروں نے اپنا حصہ تقسیم کر لیا۔ بعض کے حصے میں اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا پس جو لوگ نیچے تھے انہیں پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس جانا پڑتا تھا انہوں نے کہا کہ کیوں نہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کے پاس جانے کی زحمت سے بچیں پس اگر وہ انہیں ان کے ارادے کے مطابق چھوڑے رہیں تو سب ہلاک ہو جائیں اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو سارے بچ جائیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، الحدیث: ۲۴۹۳، ج۲، ص۱۴۳)

اس حدیث شریف میں ایک مثال کے ذریعے برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ اگر یہ سمجھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا جائے کہ برائی کرنے والا خود نقصان اٹھائے گا ہمارا کیا نقصان ہے! تو یہ سوچ غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے گناہ کے اثرات تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور جس طرح کشتی توڑنے والا اکیلا ہی نہیں ڈوبتا بلکہ وہ سب لوگ ڈوبتے ہیں جو کشتی میں سوار ہیں، اسی طرح برائی کرنے والے چند افراد کا یہ جرم تمام معاشرے میں ناسور بن کر پھیلتا ہے۔ (مراۃ المناجیح، ج۶، ص۵۰۴)

حکمائے اسلام اور مثال : قرآن وحدیث کے طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے بعض بزرگوں اور حکمائے اسلام نے بھی اپنی کتابوں میں افہام وتفہیم کے لیے بکثرت مثالیں دی ہیں۔ اس حوالے سے ماضی بعید میں حضور حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ اس پر آپ کی جملہ تصانیف بالخصوص احیاء العلوم شاہد عدل ہیں۔ جبکہ ماضی قریب میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو دنیائے اردو کو مثال دے کر سمجھانے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ تفسیر نعیمی ہو یا مراۃ المناجیح، رسائل نعیمیہ ہوں یا مواعظ نعیمیہ آپ کی کم وبیش ہر کتاب میں مثالوں کی بہت زیادہ کثرت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ کے حالات زندگی پر پی ایچ ڈی کے مقالہ نگار جناب شیخ بلال احمد صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان (مفتی احمد یار خان نعیمی) کا ذہن خاص طور پر اسی ضرورت کی طرف زیادہ متوجہ تھا کہ عامۃ الناس کے حلقوں کے لیے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے آسان اور مفید لٹریچر پیدا کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے:

"میں جب لکھنے کے لیے بیٹھتا ہوں تو یہ بات مد نظر رکھتا ہوں کہ میں بچوں، عورتوں اور دیہات کے کم پڑھے لوگوں سے مخاطب ہوں۔"

تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تو اس میں بھی ان کا بنیادی احساس یہی تھا کہ ایسی سادہ اور آسان زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی جائے جس سے قرآن حکیم کے مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھ میں آسکیں، تفسیر نعیمی کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"بہت کوشش کی گئی ہے کہ زبان آسان ہو اور مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھا دیئے جائیں۔"

چند سطور کے بعد شیخ بلال احمد رقم طراز ہیں :

ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ کم خواندہ سے کم خواندہ آدمی بھی ان کی بات کو سمجھ سکے۔ مضمون کو واضح اور سہل بنانے کے لیے زوزہ مرہ زندگی سے بکثرت مثالیں منتخب کر لیتے۔

☆☆☆☆

آخری قسط

سُلطان المشائخ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا محمد کلیم رضا نوری
چشتی قادری

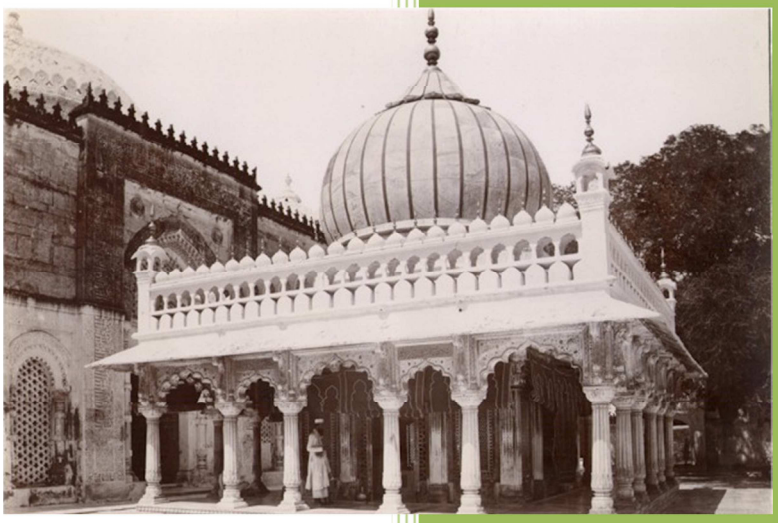

جس قدر تحفے تحائف آپ کے پاس عالمِ غیب سے آتے تھے آپ لوگوں کو عنایت کر دیتے تھے اور کوئی شخص آپ کے ہاں سے خالی نہ جاتا تھا۔ اس کے بعد آپ قیلولہ کرتے اور دوپہر کی نماز کے بعد زیارت کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے اور ان کے حال کے مطابق سلوک اور طلبِ حق کی باتیں کرتے تھے اور قسم قسم کے حقائق و معارف بیان فرماتے تھے۔ اس وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر اس قدر نور و جلالِ کبریائی ہوتا تھا کہ کوئی شخص آپ کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، نہ کلام کر سکتا تھا۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے سب لوگ سر جھکائے سنتے رہتے تھے۔ شہر کے علماے اہلِ ظاہر جو اہلِ تصوف سے تعصب میں مشہور تھے، سب اپنے دماغ سے رعونت نکال کر آتے تھے اور آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر سرنگوں رہتے تھے۔

خوباں چو بادہ خوردن من جرعہ خوار ایشاں
ہر جرعہ کہ خوردہ سر بر زمیں نہادہ

(حسینوں نے جب میرے شراب پیتے وقت ایک دو گھونٹ پیے، ہر گھونٹ پیتے ہی سرزمین پر رکھتے گئے۔)

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (چراغ دہلی) سے روایت ہے کہ سلطان المشائخ کے محرمِ راز دوست آجاتے تو آپ چاہتے تھے کہ سماع کا انتظام کیا جائے۔ یہ سن کر امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امیر حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (سنجری) جو علمِ موسیقی اور حسنِ صوت میں عدیم المثال تھے، سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ساتھ دینے والا ایک اور آدمی تھا جس کا نام مبشر تھا۔ یہ مبشر سلطان المشائخ کا زر خرید غلام تھا اور بے حد حسین تھا۔

حسنِ صوت (سریلی آواز) میں بھی وہ لحنِ داؤدی کا مقابلہ کرتا تھا پس حضرت امیر خسرو غزل شروع کرتے تھے اور جس شعر پر سلطان المشائخ سر ہلاتے تھے، امیر حسن اور مبشر

ع آں را بزیور نقش می بستند

(شاید اس کا مطلب یہ تھا کہ خوب اچھی طرح گانا شروع کر دیتے تھے۔)

جس سے سلطان المشائخ وجد میں آجاتے تھے۔ باوجودے کہ دو سو قوال سرکاری وظیفہ خوار حضرت شیخ کے لیے مقرر تھے، وہ ایسے باکمال تھے کہ اپنے کلام کے زور سے اڑتے ہوئے پرندے کو نیچے اتار سکتے تھے۔ لیکن ان تین عزیزوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

آپ کے ایک مرید خواجہ منہاج کہتے ہیں کہ مجھے ذوقِ سماع ہوا تو سلطان المشائخ سے درخواست کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ پس میں نے حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رشتہ داروں اور دوسرے احباب کو غیاث پورہ سے دعوت دی اور قوالوں کو جمع کیا سماع شروع ہوا، لیکن کچھ لطف نہ آیا۔ مجھے پریشانی لاحق ہوئی کہ شاید محفلِ سماع میں کوئی بے قاعدگی واقع ہوگئی ہے۔ اس غم کی حالت میں میں نے مڑ کر دیکھا تو سلطان المشائخ کو کلاہ سر پر رکھے ہوئے حوض کے کنارے کھڑا دیکھا۔ آپ کو دیکھتے ہی سماع کی حالت بدل گئی اور ذوق و شوق پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد جب میں نے اس بات ذکر آپ سے کیا تو فرمایا کہ یہ ضعیف جہاں کہیں بھی ہوا سے حاضر تصور کیا کرو۔

شیخ بہرام جو شیخ نجیب الدین متوکل کے پوتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے سلطان المشائخ کو خواجہ قطب الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر دیکھا۔ آپ نہایت استغراق کی حالت میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھے دکھایا گیا ہے کہ نظام جس نے تجھے دیکھا ہے میں نے اسے بخش دیا۔

ایک رات سلطان المشائخ کتبِ اسرارِ الٰہی کے مطالعہ میں مشغول تھے اور بعض مقامات پر قلم سے نشان لگا رہے تھے کہ اچانک قلم آپ کے ہاتھ سے گر گیا اور سر کے بل زمین میں پیوست ہو گیا، جیسے سجدہ کیا جاتا ہے۔ یہ شبِ قدر کی علامت تھی۔

صاحبِ سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ کے ساتھ چنداں اخلاص نہ تھا اس نے بھی شہر سے نکل کر دریا کے کنارے کیلوگہری میں مکان بنالیا تھا اور مشائخیت کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس کے نوجوان لڑکے بے ادب تھے اور اکثر کشتی میں سوار ہو کر گانا گاتے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے سلطان المشائخ کے گھر کے نیچے سے گزرتے تھے۔ ایک دن آپ جماعت خانہ کی چھت پر مشغول بیٹھے تھے اور میرے والد (میر سید محمد کرمانی مصنف سیر الاولیا کے والد) سامنے کھڑے تھے اور نوجوانوں کی وہ جماعت گاتی ہوئی شور و غل مچاتی ہوئی کشتی میں سوار ہو کر جا رہی تھی۔ جب آپ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا، سبحان اللہ ایک وہ ہے کہ سالہا سال سے اس کام میں خون پی رہا ہے (یعنی حضرت خود سماع میں خونِ دل پی رہے ہیں) اور اپنے آپ کو اس راستے میں فنا کر دیا ہے اور یہ نوجوان ابھی پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو کون ہے، پس آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور پھر نیچے کر لیا، وہ کشتی فوراً غرق ہوگئی۔

تاریخِ دہلی: آپ کے زمانے میں سات بادشاہوں نے دہلی کے تخت پر حکومت کی۔ ان میں سے بعض مخلص اور بعض مخالف۔ جن کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ حضرت گنج شکر علیہ الرحمۃ سے خلافت حاصل کر کے جب دہلی پہنچے تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ چوں کہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ نسبتِ بندگی و اعتقاد رکھتا تھا، آپ کا بھی مخلص و معتقد رہا۔ اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۶ھ میں سلطان بلبن نے وفات پائی، اس وقت اس کا لڑکا ناصر الدین محمود لکھنوتی میں تھا۔ ارکان دولت نے کسی مصلحت سے اس کے بیٹے معز الدین کیقباد کو سترہ سال کی عمر میں دادا کے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ بھی سلطان المشائخ کا مخلص و معتقد تھا۔ اس زمانے میں تمام خلقت سلطان المشائخ کی بندگی کو سعادتِ دارین سمجھ کر آپ کی خدمت گزاری کرتی تھی۔ سلطان معز الدین بہت نیک صورت اور نیک سیرت نوجوان تھا۔ چناں چہ امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے قران السعدین لکھا ہے۔ لیکن چوں کی شراب خوری اور عیش و عشرت کا عادی تھا، اس کی سلطنت میں خلل واقع ہوگیا اور تین سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۹ھ میں جلال الدین خلجی جو اس کے دربار کا ایک رکن تھا کے حکم سے بیماری کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ ارکینِ سلطنت نے اتفاقِ رائے سے سلطان جلال الدین خلجی کو کیلو گہری کے محل میں تخت نشیں کیا۔

سلطان جلال الدین عبادت گزار، کریم طبع، شعر فہم اور صاحبِ سماع تھا اور ہمیشہ سلطان المشائخ کی خدمت میں فتوحاتِ کثیر ارسال کیا کرتا تھا۔ وہ چھ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی کے ہاتھوں ماہ رمضان ۶۹۵ھ میں مانک پور کے مقام پر شہید ہوا اور سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا کی جگہ تخت نشیں ہوا۔

علاء الدین بڑا مدبر اور غیور انسان تھا، اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن تمام ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ چناں چہ ضیا برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس کے تیار کردہ ضوابط مفصل طور پر نقل کیے ہیں۔ شروع میں بعض حاسدوں نے سلطان المشائخ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے کہ تمام وزرا و امرا ان کے مرید ہیں۔ ساری خلقت آپ کے لنگر خانے سے پرورش پا رہی ہے، شاید ان کا خیال ملک گیری کا ہے۔ بادشاہ سنتا رہا اور مخفی رکھتا رہا، لیکن تجسس ضرور کرتا رہا۔ آخر اسے معلوم ہو گیا کہ سلطان المشائخ کو حکومت کی بالکل خواہش نہیں ہے، بلکہ سخت نفرت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دل و جان سے مخلص و معتقد ہو گیا اور خضر خاں اور شادی خاں دونوں شاہ زادوں کو سلطان المشائخ سے مرید کرایا اور دو لاکھ روپے پیش کیے جس شعر کی سلطان المشائخ کو خواہش ہوتی ہزار کوشش سے اسے لکھوا کر پیش کرتا اور بعدۂ آپ کی مطابقت میں وہ اشعار بادشاہ خود سنتا تھا اور لطف حاصل کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے قرہ بیگ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ مدت ہو چکی ہے کہ اپنے بھائی الف خاں کو ایک عظیم لشکر دے کر ارنگل کی طرف روانہ کیا تھا، لیکن اب تک کوئی خبر نہیں آئی۔ میری خواہش ہے کہ میں خود دیوگری کی طرف جاؤں اور کچھ لشکر واپس لے آؤں۔ حضرت شیخ کا اس بارے میں کیا فرمان ہے۔ آپ نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا کہ میری دعا سلطان کو پہنچا دو اور کہو کہ انشاء اللہ کل چاشت کے وقت فتح ارنگل اور بھائی کی سلامتی کی خوش خبری مل جائے گی۔

یاد رہے کہ ارنگل اس علاقے کا نام ہے جو دیوگری کی طرف دولت آباد سے جنوب کی جانب چار یا پانچ سو کوس کے فاصلے پر ہے۔ دوسرے دن ایک ساندھنی سوار فتح نامہ لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور قرہ بیگ کو پانچ سو دینار سرخ دے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں خانقاہ کے خرچ کے لیے ارسال کیا۔ اس روز ایک قلندر اسفند یار خراسان سے آیا ہوا تھا۔ جوں ہی اس نے دینار دیکھے درخواست کی کہ کچھ مجھے بھی عنایت کیجیے۔ سلطان المشائخ نے وہ سب کے سب اسے دے دیے۔

ضیا برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ خاندانِ غلاماں کے عہدِ حکومت کے آخری دس سال عجب وقت مشاہدہ میں آیا۔ بادشاہ نے ملک کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی اور تمام منشی اشیا اور فسق و فجور کے کاموں کو نہایت سختی سے بند کر دیا جس سے سب گناہ کے کام بند ہو گئے۔ سلطان المشائخ نے بھی بیعت کا سلسلہ عام کر دیا تھا اور تمام گناہ گاروں اور شہوت پرست لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت ہونے لگے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہونے لگے۔ غرض کہ ساری خلقت خوب ذوق و شوق سے عبادتِ الٰہی میں مشغول تھی۔ مرد، عورت، غلام و نوکر، بوڑھے جوان، امیر غریب، ملوک وزرا سب سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے نماز و روزہ کے پابند ہو گئے۔ شہر سے لے کر غیاث پورہ تک صوفیانِ باصفا کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ مسلمان ایک دوسرے سے شرم کی وجہ سے دنیا اور دنیا کے عیش کا ذکر تک نہیں کرتے تھے۔ اور سب طالب علموں، اشراف و اکابر، حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر کتبِ سلوک کے مطالعہ اور احکامِ طریقت کے مشاہدہ میں منہمک تھے۔ کتاب قوت القلوب، احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، شرح تعرّف رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فوائد الفواد یعنی ملفوظات سلطان المشائخ کے لاتعداد خریدار پیدا ہو گئے اور کتبِ تصوف کے سوا کسی اور کتاب کو کوئی پوچھتا نہیں تھا جس قدر حقائق و معارف اس وقت ظاہر ہوئے تھے، شاید جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت میں ظاہر ہوئے ہوں۔ شیخ کی خدمت میں شہر دہلی اور اطراف و جوانب سے اس قدر ہجوم ہونے لگا اور کثرت سے محافلِ سماع ہونے لگی کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا اور نہ سنا ہو گا۔ غرض کہ فنِ مشیخیت اور رشد و ارشاد آپ پر ختم ہو گیا تھا۔

زیں فن مطلب بلند نامے　　کاں ختم شدہ است بر نظامے

(فنِ مشیخیت میں شہرت کا طلب گار مت بنو، کیوں کہ یہ کام خواجہ نظام الدین اولیا پر ختم ہو چکا ہے۔)

الغرض سلطان علاء الدین بن شہاب الدین خلجی نے بیس سال حکومت کر کے شوال ۷۱۵ھ کو وفات پائی، اس کے بعد سلطان قطب الدین ارکانِ سلطنت کے اتفاق رائے سے تخت پر بیٹھا اور خضر خان، شادی خان اور شہاب الدین تینوں بھائی قتل کیے گئے۔ چوں کہ خضر خان وغیرہ سلطان المشائخ کے مرید تھے۔ سلطان قطب الدین خود شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید ہو گیا، سلطان المشائخ سے عناد رکھنے لگا۔ اس نے بسا اوقات اس بادشاہِ معنوی کو آزار پہنچانے کی کوشش کی، پہلے اس نے چند ایسی باتیں نکالیں کہ جن سے سلطان المشائخ کو متہم قرار دے سکے لیکن اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے شہر کے سب علما کو جمع کر کے حکم دیا کہ شہر کے سب مشائخ کو مطلع کر دیا جائے کہ ہر چاندرات کو میری خدمت میں حاضر ہوں۔ شیخ نظام الدین کو مطلع کر دو کہ اس حکم کی تعمیل کرے، اگر یہ حکم قبول نہ کرے تو مجھے اطلاع دو تاکہ جس طرح طلب کر سکتا ہوں طلب کروں، بلکہ اس نے چند ایسی باتیں کہیں جو ناگفتہ بہ تھیں۔

بادشاہ سے یہ حکم حاصل کر کے سید قطب الدین غزنوی، عماد الدین طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا برہان الدین یزدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے علما نے سلطان المشائخ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ چوں کہ بادشاہ نوجوان آدمی اور ناعاقبت اندیش ہے اور حضرت شیخ دانش مند ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ بادشاہ کا حکم قبول فرمائیں۔ سلطان المشائخ نے ذرا تامل کر کے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ ہم شیخ کو راضی کر آئے ہیں، آپ کے پاس آئیں گے۔ دوسرے دن عز الدین علی شاہ امیر خسرو کے بڑے بھائی نے جو سلطان المشائخ کے محبوب ترین مرید تھے، آکر کہا کہ بادشاہ چاند رات کا منتظر ہے۔ حضور تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا، انھوں نے بہت سمجھایا کہ بادشاہ ظالم ہے، معلوم نہیں کیا کر بیٹھے گا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا تم خاطر جمع رکھو، مجھے عالمِ واقعہ میں دکھایا گیا ہے کہ میں بالاخانہ پر بیٹھا ہوا ہوں کہ ایک سینگ دار گائے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے اس کی سینگ پکڑ کر اسے زمین پر گرا دیا ہے، جس سے وہ مر گئی ہے۔ انشاء اللہ بادشاہ مجھ پر کامیاب نہ ہوگا۔ ایسا واقع ہوا کہ انتیسویں شب کو بادشاہ ایک ہزار ستون والے محل کی چھت پر سویا ہوا تھا کہ خسرو خان نے جو اس کا نمک پروردہ تھا، اسے قتل کر دیا۔ عین اسی وقت سلطان المشائخ اپنی خانقاہ میں گشت کر رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

(اے حقیر لومڑی تو اپنے مقام پر کیوں نہ رہی، تو نے شیر کے ساتھ زور آزمائی کی اور اپنا حشر دیکھ لیا۔ روباہ کے معنیٰ لومڑی ہیں اور روبہک اسمِ تصغیر ہے۔ یعنی اے حقیر لومڑی۔ سبحان اللہ! شہنشاہِ وقت کو لومڑی بلکہ حقیر سی لومڑی کہہ کر پکار رہے ہیں، کیا شان ہے۔)

بادشاہ نے چار سال اور چار مہینے حکومت کی اور ۷۲۰ھ کو خسرو خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ خسرو نے بادشاہ کی بیوی سے شادی کر لی اور دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اس نے خزانے کے دروازے کھول دیے اور لوگوں کی پرورش شروع کر دی، جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس نے کافی رقم درویشوں کے لیے بھی وقف کی۔ چناں چہ اس نے پانچ لاکھ روپے سلطان المشائخ کی خدمت میں ارسال کیے۔ دوسرے درویشوں نے روپیہ جمع کر لیا لیکن سلطان المشائخ نے سب کچھ فقرا میں تقسیم کر دیا۔ چار ماہ کے بعد غیاث الدین تغلق نے جو سلطان قطب الدین کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا، لشکر کشی کی اور خسرو خان بھاگ نکلا۔ چوں کہ سلطان علاء الدین کی نسل کا کوئی آدمی موجود نہ تھا، سب اراکینِ سلطنت نے سلطان غیاث الدین تغلق کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ دوسرے دن اس نے خزانے کا معائنہ کیا اور خسرو خان نے جس کسی کو رقم دی تھی، سلطان نے واپس طلب کی۔ درویشوں سے بھی واپس رقم طلب کی گئی۔ جب سلطان المشائخ سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا، بیت المال کی رقم تھی، ہم نے درویشوں میں تقسیم کر دی۔ ان الفاظ سے بادشاہ رنجیدہ ہوا اور آپ کی ایذا رسانی کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ بعض مخالف علما نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ مذہبِ امامِ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں سماع حرام ہے اور شیخ کا اس کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ چناں چہ اس بارے میں محضر قائم کیا گیا اور تمام علما کو بلایا گیا۔ حضرت شیخ نے حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حوالہ دیا لیکن علما نے کہا کہ آپ مجتہد نہیں ہیں، اس لیے احادیث کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پیش کریں۔ سلطان المشائخ نے غیرت میں آکر فرمایا اور آپ کے الفاظ گویا قضاے الٰہی تھے، فرمایا سبحان اللہ میں حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ لوگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول طلب کرتے ہیں۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ایسے قاضیِ قضا سے برطرف نہ ہو جائیں اور عجب نہیں کہ اس شہر پر وبا نازل ہو اور عجب نہیں کہ قحط پڑ جائے اور عجب نہیں کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ آخر جو کچھ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا، ظاہر ہوا۔ بہر حال اس وقت شیخ نے علمی دلائل سے علما کو ساکت کیا۔ اس بارے میں کافی گفت و شنید ہوئی جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس وقت شیخ علم الدین علاء، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کے پوتے ملتان سے تشریف لائے۔ سلطان استقبال کے لیے باہر گیا، لیکن شیخ علم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے سلطان المشائخ سے ملاقات کی، اس کے بعد بادشاہ سے ملے۔ انھوں نے حالات معلوم کر کے بادشاہ سے کہا، سلطان المشائخ سماع کے اہل ہیں، ان سے گستاخی ناروا ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ تو ہوا لیکن اس کے دل سے منافقت نہ نکلی۔ چناں چہ اس وقت تو بادشاہ نے سلطان المشائخ کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا اور خود لکھنوتی کی طرف کسی ضروری کام سے چلا گیا۔ لیکن تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ واپسی پر اس نے کہا کہ جب دہلی پہنچوں گا تو شیخ کو شہر بدر کر دوں گا۔ جب لوگوں نے سلطان المشائخ تک یہ بات پہنچائی تو آپ نے فرمایا: ہنوز دہلی دور است" (ابھی دہلی دور ہے)۔ یہ محاورہ آج تک زبان زد خاص و عام ہے۔ جب دہلی سے دو تین کوس یعنی تغلق آباد میں پہنچا تو وہاں اس نیت سے ٹھہر گیا کہ وہاں شیخ کو طلب کروں گا۔ لیکن اسی رات اس پر بلائے ناگہانی آئی اور اپنے محل کے اندر اپنے دوستوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ اس نے چار سال حکومت کی، اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد تخت پر بیٹھا، وہ سلطان المشائخ کا مخلص و معتقد تھا لیکن

اس کی حکومت کے پہلے سال سلطان المشائخ قدس سرہ کا وصال ہو گیا اور بادشاہ نے آپ کے مزار پر ایک عالی شان گنبد تیار کرایا۔

سلطان المشائخ نے اپنی وفات سے تین چار ماہ قبل دس آدمیوں کو خلافت عطا فرمائی اور خلافت نامہ لکھ کر عنایت کیا اور میر سید حسین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو کتاب "سیر الاولیا" کے مصنف تھے، حکم دیا کہ تمام خلفا کے خلافت ناموں پر اپنے دستخط کیا کریں۔ جس طرح حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اوروں کے خلافت ناموں پر مہر لگانے کا حکم فرمایا تھا۔ سلطان المشائخ نے تمام خلفا میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا جانشین مقرر کیا، یہ فرماتے ہوئے کہ دہلی کی غم خواری کم کرنا۔

صاحبِ سیر العارفین لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کی عمر چورانوے سال اور آٹھ ماہ ہوئی تو آپ بیمار ہو گئے اور چند ماہ بیمار رہے۔ لیکن سید محمد کرمانی نے سیر الاولیا میں یہ تصحیح کی ہے کہ آپ کی بیماری چالیس دن سے زیادہ نہ تھی۔ بیماری کی ابتدا یوں ہوئی کہ جمعہ کے دن آپ پر حال طاری ہوا اور تجلیِ ذات کے مشاہدہ سے آپ کا سینہ روشن ہو گیا۔ اثنائے نماز حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے عالمِ تحیر میں گھر تشریف لائے اور گریہ جو پہلے بھی تھا آپ پر غالب آگیا۔ آپ ہر روز کئی بار غائب ہو جاتے تھے اور کئی بار ظاہر ہوتے تھے۔ آپ ہر بار یہی سوال کرتے تھے کہ آج جمعہ ہے؟ اور میں نے نماز پڑھی ہے؟ لوگ عرض کرتے کہ جی ہاں آپ نے نماز پڑھی ہے، لیکن آپ فرماتے کہ اچھا ایک بار پھر پڑھ لیتا ہوں۔ اسی طرح ہر نماز دوبارہ پڑھتے تھے اور یہ مصرع پڑھتے جاتے تھے۔

"مے رویم مے رویم و مے رویم"

(ہم جا رہے ہیں، ہم جا رہے ہیں، ہم جا رہے ہیں)

اسی حالت میں آپ نے تمام عزیز و اقارب، خدمت گزاروں اور مریدوں کو طلب فرمایا اور خواجہ اقبال خادم سے فرمایا کہ جو کچھ گھر میں ہے سب لوگوں میں تقسیم کر دو اور ایک پیسہ بھی باقی نہ رکھو، سید حسین نے آکر عرض کیا کہ سب کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے، لیکن چند ہزار من غلہ وظیفہ خوار فقرا کے لیے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس مردہ ریت کو کس لیے رکھا ہے اس کے بعد انھوں نے غلہ کے گودام کی دیواروں میں شگاف کر دیے اور سارا غلہ لٹا کر جھاڑ دے دیا۔ اس کے بعد سب متعلقین نے آکر عرض کیا کہ آں حضرت کے بعد مجھ مسکین کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو میرے روضہ سے اس قدر مل جایا کرے گا کہ متکفی ہو جائے۔ الغرض چالیس دن کے عرصہ میں آپ نے کچھ نہ کھایا اور نہ زیادہ بات کی۔ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو آپ نے جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی اور دہلی میں دفن کیے گئے۔ کسی نے آپ کی تاریخِ وصال یوں نکالی ہے۔

نظامِ دو گیتی شہِ ماو دین — سراجِ دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخ فوتش بجستم ز غیب — ندا داد ہاتف شہنشاہِ دین
(۷۲۵ھ)

(دونوں جہاں کے نظام ہمارے اور دین کے بادشاہ، بالیقین دونوں جہانوں کے چراغ، جب میں نے آپ کی تاریخِ وفات کی جستجو کی تو ہاتف نے آواز دی کہ "شہنشاہِ دین" ہے۔)

صاحبِ کتاب سیر اولاولیا لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کو قبر میں رکھا گیا تو آپ نے جو خرقہ خواجہ گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیا تھا، آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جسم مبارک پر ڈالا گیا اور حضرت گنج شکر کا مصلیٰ آپ کے سر کے نیچے رکھا گیا۔ یہ بات بزرگانِ دین میں جائز ہے اور اکثر مشائخ کبار کا یہی دستور رہا ہے کہ اپنے پیر کا عطا کردہ خرقہ یا فرزند صالح کے حوالے کر گئے یا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ کتاب مذکور میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے حضرت رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی۔ نماز کے بعد انھوں نے فرمایا کہ مجھے اب معلوم ہوا کہ چار سال تک مجھے اسی کام کے لیے دہلی میں رکھا گیا تاکہ سلطان المشائخ کے جنازہ کی امامت کا شرف حاصل کر سکوں۔ سلطان المشائخ اور شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان بے حد محبت تھی۔

سلطان المشائخ ان بزرگوں میں سے ہیں جو اپنی قبر میں بیٹھے تصرف کر رہے ہیں۔ چناں چہ آپ کا روضۂ مبارک خلقت کا قبلۂ حاجات ہے۔ آج تک آپ کے تصرفات ترقی پر ہیں اور تاقیامِ قیامت اسی طرح رہیں گے اور عالمِ اسلام ان کے فیضِ ولایت سے مستفید ہوتا رہے گا۔

سلطان الہند عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خصوصی فیضان آپ نے پایا اور شہباز طریقت حضرت سید ناگنج شکر بابا فرید الدین مسعود کی خدمت و نسبت نے آپ کے سرِ اقدس پر کرامت کا اتنا حسین اور زر نگار تاج سجایا کہ اکابر اولیا کے تاج کرامت کی چمک ان کے سامنے ماند دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان کی راجدھانی پر آپ کا سکہ کل بھی چل رہا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔ پورے ہند کے قلوب کو آپ نے مسخر فرمایا اور کیا مسلم کیا کافر سب آپ کے فیضِ کرم کے طالب نظر آتے ہیں۔ آپ فیض و احسان کا ایسا سمندر ہیں کہ دیتے وقت کسی طرح کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھتے، ہر مانگنے والے کا دامنِ مراد بھرتے نظر آتے ہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

مولانا عبید اللہ خاں اعظمی

ہندوستان کی سرزمین پر یوں تو بہت سے ایسے صوفیہ اور اولیا اپنے اپنے عہد میں جلوہ فرما ہوئے، جن کی ذات میں بیک وقت علوم و سلوک کی ساری تاب ناکیاں موجود تھیں، لیکن بریلی کی سرزمین سے ابھرنے والی شخصیت کا امتیاز و تفرد اپنی جگہ ہے۔ مخالفین بھی اس حقیقت کا برملا اقرار کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے دامنِ ذات میں بہت سے علوم و اقدار کے حسین چراغ پوری تاب ناکی کے ساتھ روشن تھے۔ اعلیٰ حضرت کے معاصرین نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ حکمت و فراست اور علوم و معرفت کا ایک ایسا گہرا خزانہ تھے جس کی تہ تک پہنچنا بڑا کٹھن تھا اور روشنی کا ایسا مینارہ تھی جو انسانی تقدیر اور امکانات کے چھپے ہوئے گوشوں کو منور کر دیتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی علمی حیثیت کی تصویر کشی کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک ہلکی سی جھلک آپ کے تعلق سے بعض تحریروں میں ضرور ملتی ہے، تاہم وہ بجائے سیراب کرنے کے تشنگی کو مزید دو بالا کر دیتی ہیں۔ جتنے بھی معاصرین نے آپ پر اپنے قلمِ سرما کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ محض ایک دھندلا سا نقش ہے اور میں بلا خوف و تردد یہ کہتا ہوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسی شخصیت جو اپنے دور میں مقدمۃ العباقرہ کا درجہ رکھتی تھی، ان کے حوالے سے عقیدت کے چاہے جتنے نقش و نگار کھلائے جائیں، وہ اصل تصویر کا ایک بے کیف و بے رنگ حصہ ہی ثابت ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ میں ان کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں، یہ باتیں تمہیداً اس لیے عرض کر دی ہیں کہ کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر الفاظ کے سمندر لٹانے کے باوجود بھی ان کے قطرہ دامن کا بھی احاطہ نہیں ہوتا اور بلا مبالغہ اعلیٰ حضرت بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ظاہر ہے، ایک ذات جو خوبیوں اور کمالات کا مجموعۂ رنگا رنگ ہو، علم و حکمت کے جواہر پاروں کا انمول خزانہ ہو، تعلیم و تبلیغ کا فلک بوس مسند ہو، رشد و ہدایت کا مینارۂ نور ہو، اصلاح و تحقیق کا سرچشمۂ صافی ہو، شعر و سخن کا چمن ہزار لالہ رنگ ہو، فقہ و تفسیر کی کہکشاں ہو، تاریخ و جغرافیہ کا منبع ہو، ہیئت و ریاضی اور نجومیات کا ماہر ہو، اس کے بارے میں حرف و حکایت کی جرأت کرنا ہمالہ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ بڑی حیرت بھی ہوتی ہے اور رشک سے سینہ پھول بھی جاتا ہے، جب ایک طرف تو اعلیٰ حضرت کے فتاوے اور مذہبی تحریر میں صلابت اور بلند آہنگی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ملتی ہے تو وہیں دوسری جانب شعر و سخن کے میدان میں نازک خیالی اور شیرکی دہاڑ سے ایک دم سے بلبل کی خوش الحانی کا معاملہ نظر آتا ہے۔ یہ تضاد بھی ایک فن ہے، بلکہ یہ اعلیٰ حضرت کے رسول اکرم ﷺ سے عشقِ کامل کا کرشمہ ہے جو ان کو بیک وقت شعلہ و شبنم رکھتا ہے۔ ورنہ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ مذہبی علوم کے ماہرین شعر و سخن کے باب میں خشکی و بے کیفی کا پیکر بن جاتے ہیں اور ان کی شعریت ان کی علمی کوہ قامتی کے نیچے دب کر مردہ و افسردہ ہو جاتی ہے۔ وہ جو اعلیٰ حضرت نے ملکِ سخن کی شاہی والی بات کہی ہے وہ بھی در اصل ان کے انکسار و تواضع کا بیانیہ ہے، نہ کہ عام شعرا کی طرح تعلّی کا۔ اس لیے کہ وہ کون سا ایسا کمال تھا جس کا سرنامہ ان کی ذات نہیں بن سکتی ہے اور وہ کون سی ایسی مملکتِ ہنر و فن تھی جس کی سر تاجی ان کے قدمِ ناز پر نثار نہ تھی۔ ایسے میں اعلیٰ حضرت کا ملکِ سخن کی شاہی والا بیان محض ایک انکسار ہی تو ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے اعلیٰ حضرت کو برصغیر کا ابو حنیفہ قرار دینے میں بخالت کی ہے، یا پھر تکلف سے کام لیا ہے۔

اپنی چار دہائیوں پر محیط خطابت کے دوران مجھے نہیں لگتا کہ میری کوئی بھی ایسی تقریر ہوگی جس میں کسی نہ کسی حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ذکر نہ آیا ہو۔ در اصل یہ بھی اعلیٰ حضرت کی کثیر الجہات شخصیت کی ایک زندہ کرامت ہے کہ چاہے جتنا بڑا طبع زاد اور فی البدیہہ بولنے والا مقرر کیوں نہ ہو اسے اس دریائے گہربار سے موتیاں چننے پر مجبور ہونا ہی پڑتا ہے۔ غالب نے کہا ہے مشاہدۂ حق میں بھی بادہ و ساغر کے بغیر بات نہیں بنتی ہے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے اجتہادی، فقہی، علمی اور شعری حوالوں کے بغیر مقررین لاکھ طومار

باندھ لیں وہ بات نہیں بنتی ہے جو بارگاہِ امام بریلی کے ایک شعر یا ایک فقہی یا علمی حوالے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کی متعدّد جہتیں ہیں اور ہر جہت اتنی پہلودار ہے کہ اگر ایک کو بھی منتخب کر کے اس پر اظہارِ خیال کرنے کی سعی کی جائے تو آخر میں غالب کہ ان لفظوں سے ہی لاج بچائی جاسکتی ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

اب تک جو تحقیقات اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور تصنیفات کے حوالے سے منظرِ عام پر آئی ہیں، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بیک وقت ۵۰ر سے زائد علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے اور اسلامی علوم پر تقریباً ایک ہزار کتابیں انھوں نے تصنیف کی ہیں۔ یہاں بھی ایک عبقری صاحبِ قلم کی حیثیت سے آپ کا قلم بڑا محتاط اور محفوظ نظر آتا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں متعدّد موضوعات جن میں بعض اپنے عرفی اور معنوی اعتبار سے بعد المشرقین کے حامل تھے، ان پر یکساں چابک دستی کے ساتھ لکھنا اور تحریریں بھی ایسی کہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر قرار دی جائیں، فاضلِ بریلوی کے غیر معمولی علم و فضل اور ہمہ صفت موصوف قلم کی نشان دہی کرتی ہیں۔

ایک حیثیت آپ کی ایسی بھی ہے جو ان کٹھ ملاؤں کو پسند نہیں آتی ہے، جن کی شریعت میں پانی خطرے کے نشان سے عموماً اوپر بہتا ہے اور وہ زندگی بھر بجائے شناوری کے اس پر بند باندھنے میں ہی مصروف رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی مجددانہ حیثیت سے صرف ان ذہنوں نے انکار کیا ہے، جو یا تو پہلے سے کسی نہ کسی عذر کے ساتھ آلودہ تھے، یا ان کی قامت کے آگے وہ اپنا بونا پن چھپانے کے لیے دانستہ اس مہم میں جڑے ہوئے تھے۔ رفعِ شر کے لیے عرض کر دوں کہ میں اختلافی یا متنازعہ امور سے ہمیشہ ہی اعراض کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی بات جب مبنی بر حق ہو تو اس کا اظہار کرنا ہی پڑتا ہے۔ امام احمد رضا بلا شبہہ ایک ولی ہونے کے ساتھ ساتھ چودھویں صدی کے مجدد بھی تھے اور ان کی ذات میں مجدد ہونے کے لیے مطلوبہ شرائط اور اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، ان کی پوری زندگی اسوۂ رسول پر حامل مسلم معاشرے کی تجدید و تشکیل میں ہی بسر ہوئی ہے۔ پوری مسلم دنیا میں بالعموم اور برصغیر میں بطورِ خاص ایک خاص نظریے کی ترویج کے لیے جس کے مقاصد سیاسی زیادہ اور مذہبی کم تھے، نام نہاد شرک و بدعات کے سیاہ بادل لہرائے جا رہے تھے۔ عام مسلمان ایک ادھیڑ بُن میں تھے کہ کفر و شرک و بدعت کا یہ طوفان جن اشاروں پر برپا ہوا ہے وہ آخر کیا ہے، اور اس کا ہدف اسلام اور اہلِ اسلام کو حبِ رسول کے انقلابی سانچے میں ڈھالنا ہے یا محض دینی حوالے سے اپنی بات منوانے تک سارا معاملہ محدود ہے۔ ایسے ہوش ربا اور ایمان شکن تاریکی کے ماحول میں اعلیٰ حضرت ایک سورج کی طرح نمودار ہوئے اور اپنے علم و تفقہ کی نورانی کرنوں سے نہ صرف کفر و ضلالت کی تاریکیوں کو دور کیا بلکہ ان چہروں کو بھی روشن کر دیا جنھوں نے اسلام کو ایک خشک و بے لچک عقیدہ بنا رکھا تھا اور اصل دین کی روح تک خود پہنچے تھے اور نہ ہی دوسروں کو اس تک رسا ہونے دینا چاہتے تھے۔ عرب و عجم کے انصاف پسند علما نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کو مجدد تسلیم کیا تھا اور یہ آپ کے علمی خدمات کے اعتراف کے عوض میں تھا اور کسی خانقاہ کی سجادہ نشینی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آج بھی اعلیٰ حضرت کو خراجِ عقیدت ان کی عملی اور علمی زندگی کو اختیار کر کے ہی پیش کیا جاسکتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے صرف جیب و داماں کی حکایت تک اس آفتاب عالم تاب کی کرنوں کو محدود کر رکھا ہے وہ اعلیٰ حضرت سے آشنائی کا دَم لاکھ بھریں، ہم جیسے آشفتہ مریدِ امامِ بریلوی اسے قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ ☆☆☆☆

==========

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

کشن گنج بہار میں

جناب عبد الخالق عرف لڈو
انڈیا بک اسٹور
چوڑی پٹی، چوک کشن گنج
ضلع کشن گنج، بہار
9471275295

لکھنؤ میں

جناب قاری ذاکر علی قادری صاحب
مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن
شاہی مسجد، بڑا چاند گنج، لکھنؤ (یوپی)

مسلکِ اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق

اختر حسین فیضی مصباحی

ہم مسلکِ اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق کے عنوان سے ایک اہم سلسلہ شروع کر رہے ہیں
جس سے ان شاء اللہ فکرِ رضا کی اشاعت ہوگی، اور آپ کے علم کی روشنی سے بہت سے دل روشن ہوں گے۔

آدابِ مسجد

سبق (۳): مسجد اللہ کا گھر ہے، روے زمین پر اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بڑی فضیلت بخشی ہے؛ اس لیے ان کا ادب و احترام بھی اسی انداز سے کرنا چاہیے، ہم مسجد میں نماز پڑھنے تو جاتے ہیں، لیکن اس کے آداب سے واقف نہیں اور اگر کچھ حضرات واقفیت رکھتے بھی ہیں تو اس پر عمل پیرا نہیں، جس کی پاداش میں غضب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں مسجدوں کا احترام کرنے کی توفیق بخشے۔

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کی درج ذیل تحریر میں مسجدوں کے ادب و احترام کا درس دیا گیا ہے، جو خدا ترس مسلمانوں کے لیے ضرور رہ نمائی کا کام کرے گی۔ آپ لکھتے ہیں:

- جب مسجدوں میں قدم رکھو تو پہلے سیدھا، پھر الٹا اور واپسی پر اس کا عکس۔
- مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی نیت بسم اللہ دخلت و علیہ توکلت و نویت سنت الاعتکاف، کر لو کہ اس عبادت کا بھی ثواب ملے گا اور اس کے لیے روزہ شرط نہیں، نہ کسی معین وقت تک بیٹھنا لازم، جب ٹھہرو گے معتکف رہو گے، جب باہر آئے اعتکاف ختم ہو گیا اور اس کے سبب مسجد میں پانی پینا یا مثلاً: پان کھانا بھی جائز ہو جائے گا۔
- بغیر نیتِ اعتکاف کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں، بہت مساجد میں دستور ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں لوگ نمازیوں کے لیے افطاری بھیجتے ہیں اور وہ بلا نیتِ اعتکاف وہیں بے تکلف کھاتے پیتے اور فرش خراب کرتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔
- مسجد کے ایک درجے سے دوسرے درجے کے داخلے کے وقت سیدھا قدم بڑھایا جائے، حتیٰ کہ اگر صف بچھی ہو، اس پر بھی پہلے سیدھا قدم رکھو اور جب وہاں سے ہٹو تب بھی سیدھا قدم فرشِ مسجد پر رکھو یا خطیب جب منبر پر جانے کا ارادہ کرے، پہلے سیدھا قدم رکھے اور جب اترے تو سیدھا قدم اتارے۔
- مسجد میں دوڑنا یا زور سے قدم رکھنا جس سے دھمک پیدا ہو، منع ہے۔
- مسجد میں اگر چھینک آئے تو کوشش کرو کہ آہستہ آواز نکلے، اسی طرح کھانسی۔
- مسجد میں حدث منع ہے، ضرورت ہو تو باہر چلا جائے، لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ ایامِ اعتکاف میں تھوڑا کھائے، پیٹ پلکا رکھے کہ قضاے حاجت کے سوا کسی وقت اخراجِ ریح کی حاجت نہ ہو وہ اس کے لیے باہر نہ جا سکے گا۔
- قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا تو ہر جگہ منع ہے، مسجد میں کسی طرف نہ پھیلائے کہ خلافِ آدابِ دربار ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے، پاؤں پھیلا لیا، گوشۂ مسجد سے ہاتف نے آواز دی: ابراہیم! بادشاہوں کے حضور میں یوں ہی بیٹھتے ہیں، معًا پاؤں سمیٹے اور ایسے سمیٹے کہ وقتِ انتقال ہی پھیلے۔ (۱)

مسجد میں بات کرنے کا حکم

- مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو، فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیه مکروه یاکل الحسنات. (۲)

مسجد میں کلامِ مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

اشباہ میں ہے:

انه یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب. (۳)

بے شک وہ نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

امام ابو عبد اللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحديث فی المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش. (۴)

مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تكلم في المساجد بكلام الدنيا احبط الله تعالىٰ عنه عمل اربعين سنة. (۵)

جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول و مثله لا يقال بالرأی (میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی بات رائے اور اٹکل سے نہیں کہی جاسکتی)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سيكون في اٰخر الزمان قوم يكون حديثهم في مساجدهم ليس لله فيهم حاجة. (۶) رواه ابن حبان في صحيحه عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه.

آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے، اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں۔ (اس کو ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا۔)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

كلام الدنيا إذا كان مباحًا صدقا فی المساجد بلا ضرورة داعية إلىٰ ذٰلك كالمعتكف يتكلم في حاجته اللازمة مكروه كراهة تحريم (ثم ذكر الحديث و قال في شرحه) ليس لله تعالىٰ فيهم حاجة أي لا يريد بهم خيرا و إنماهم أهل الخيبة والحرمان والاهانة والخسران. (۷)

یعنی دنیا کی بات جب کہ فی نفسہٖ مباح اور سچی ہو، مسجد میں بلا ضرورت کرنی حرام ہے۔ ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا، معنیِ حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کرے گا، اور وہ نامراد و محروم و زیاں کار اور اہانت و ذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے: وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع إلىٰ السماء شاكيا من اهله يتكلمون فيه بكلام الدنيا فاستقبلته الملٰئكة وقالوا بعثنا بهلاكهم. (۸)

یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں، ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملٰئكة يشكون إلى الله تعالىٰ من نتن فم المغابتين والقائلين في المساجد بكلام الدنيا. (۹)

یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے، جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ جب مباح و جائز بات بلا ضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام و ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا۔ (۱۰)

---

(۱) الملفوظ، ۲/ ۱۲۰

(۲) فتح القدير، كتاب الصلوٰة، فصل و يكره استقبال القبلة بالفرج فی الخلاء، مكتبه نوريه رضويه سكهر، ۱/ ۲۳۳

(۳) الاشباه والنظائر، الفن الثالث، القول في أحكام المساجد، ادارة القرآن، كراچی، ۲/ ۲۳۳

(۴) المدارك (تفسير النسفی) سورة لقمان، آية و من الناس من يشتری، دار الكتاب العربی، بيروت، ۳/ ۲۷۹

(۵) غمز عيون البصائر مع الاشباه والنظائر، الفن الثالث في احكام المسجد، ادارة القرآن، كراچی، ۲/ ۲۳۳

(۶) موارد الظمآن الى زوائد ابن حبان، كتاب المواقيت، حديث:۳۱۱، المطبعة السلفية ، مدينه منوره، ص:۹۹

(۷) الحديقة الندية، نوع: كلام الدنيا في المساجد بلا عذر، مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد، ۲/ ۳۱۶، ۳۱۷

(۸) الحديقة الندية، نوع: كلام الدنيا في المساجد بلا عذر، مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد، ۲/ ۳۱۶، ۳۱۷

(۹) الحديقة الندية، نوع: كلام الدنيا في المساجد بلا عذر، مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد، ۲/ ۳۱۶، ۳۱۷

(۱۰) فتاویٰ رضویه ۱۶/ ۳۱۱، ۳۱۲، از: امام احمد رضا قادری حنفی بریلوی، برکات رضا، پوربندر، گجرات

مساجد کی مرکزیت
اور ائمہ حضرات کی ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جنوری ۲۰۱۴ء کا عنوان — جدید دنیا کے مسائل اور تصوف
فروری ۲۰۱۴ء کا عنوان — ۲۰۱۴ پارلیمانی انتخابات اور ہماری ذمہ داریاں

مساجد میں بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کا بہتر انتظام کیا جائے

از: محمد عابد چشتی، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، نئی دھلی ۲۵

اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ مساجد کی بنیاد خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، اظہارِ عبویت اور اعترافِ بندگی کے ہی مبارک مقصد پر رکھی جاتی ہے جو کہ اس کا ایک واضح، جلی اور شعوری پہلو ہے۔ مگر علمی، سماجی اور مذہبی میدان میں اسلامی سرگرمیوں کا جائزہ مساجد کی تاریخ کے کچھ ایسے تاب ناک و تابندہ پہلو سے باخبر کرتا ہے جو قدیم و جدید مذاہب کی تمام عبادت گاہوں کے اپنے تصور اور مقصدِ تاسیس سے مسجد کو نمایاں حیثیت اور جداگانہ شناخت سے متعارف کراتے ہیں، دراصل اسلام کے آفاقی نظام اور وسیع سوچ کے تناظر میں مساجد کی تعمیر "محدود تصور" کی بنیادوں پر استوار نہیں کی گئی تھی جس کا دائرہ سمٹ کر چند مذہبی رسوم و رواج کی ادائگی پر ٹھہر جاتا ہے، جیسا کہ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کا حال ہے، بلکہ جہاں مسجد خالص مسلم عبادت گاہ کی حیثیت سے جانی جاتی رہی وہیں ہر دور میں تعلیمی، اخلاقی، اصلاحی اور روحانی انقلاب کا سلسلہ اس طرح جڑا رہا کہ مساجد کو اسلامی سرگرمیوں کے مراکز کی حیثیت حاصل رہی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے مبارک دور میں وہ مساجد ہی تھیں جہاں تبلیغ و ارشاد، تطہیرِ نفس، وعظ و نصیحت، فکری ذہن سازی اور دیگر سماجی معاملات کے ساتھ امتِ مسلمہ کے روشن مستقبل کے خطوط مرتسم کیے جاتے رہے تو اس کے بعد محدثین و فقہا کے دور میں علوم و معارف اور اسلامی درسیات کا زبردست جال مساجد ہی میں بچھا ہوا تھا۔ آج بھی مسجد نبوی اور مصر و عرب کی دیگر تاریخی مساجد میں موجود سیکڑوں ستون اس سنہرے پل اور سرمئی دور کی یادگار بنے کھڑے ہیں، جہاں وقت کے قدآور علما اور مورخین بیٹھ کر اسلامی تعلیمات کے فروغ کا مقدس فریضہ انجام دے رہے تھے۔

خیر صدیوں تک مساجد اسی پوزیشن میں رہیں، مگر اب زمانہ کے نشیب و فراز اور روز بروز کم ہوتے مذہبی رجحان نے دھیرے دھیرے مساجد کی معتبریت، افادیت اور مرکزیت کی حیثیت کو کم کر کے اسے صرف نماز، تلاوت اور تسبیح بھانجنے کی پوزیشن میں لا کھڑا کیا اور مساجد سے ہونے والی نصیحت اور اسلامی سرگرمیوں کی تاثیر اسٹیجوں کی رہینِ منت ہو گئی۔ زمانہ کے بدلاؤ سے رونما ہوئے اس حادثہ کے بعد دو طرح کے نقصان کا سامنا مذہبی سطح پر محسوس کیا گیا۔ ایک تو اس ردِ عمل سے مساجد کے تعلق سے نئی نسل تک محدود فکر اور غلط میسیج پہنچا تو دوسری طرف ائمۂ کرام جو ان سرگرمیوں کے روحِ رواں رہے، وہ

بھی حالات سے سمجھوتا کر کے تساہلی، بے ربطگی اور لانظامیت کے شکار ہو کر مستقل مزاجی سے دور "فیضانِ سنت" اور "سنی فضائل و اعمال" کی روایت خوانی تک محدود ہو گئے۔ جس سے ان کے اپنے وقار کے ساتھ عوامی سپورٹ پر زبردست اثر پڑا اور چند محبین مقتدیوں سے آگے ان کا دائرہ نہ بڑھ سکا اور ابھی تک کا تجزیہ تو یہی بتاتا ہے کہ اس ماحول میں خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی ہے۔ مقصدیت کے اس فقدان کا ماحول ان مساجد میں زیادہ ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے تحت ہیں، ورنہ دیگر فرقے کی جدوجہد اور مساعی کا محور ایک مناسب حد تک مساجد ہی ہیں، جس کا مشاہدہ ہر بڑے شہر کی مساجد میں کیا جاسکتا ہے۔ خیر ہمیں بھی اب اپنی فکری جہتوں کو صحیح نہج پر بہت جلد لانے کی ضرورت ہے اور مساجد کے لیے مستقل لائحۂ عمل اور منصوبہ بندی کے تحت کام کرنے کا مناسب نہیں بلکہ جبری وقت آچکا ہے تاکہ دہائیوں سے پڑے اس جمود و تعطل میں حرارت آئے اور یہ کام زبانی جمع خرچ سے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی یہ مستقل حل ہے۔ بلکہ اب از اول تا آخر زمینی کام کی ضرورت ہے جس کی قیادت بہر حال علما و دانشورانِ ملت ہی کو کرنی ہے، جیسا کہ چند سال قبل ائمہ کرام کے لیے مخصوص پروگراموں کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس کے ذریعہ زمانہ کے تقاضے اور ان کے حساب سے نئے اسالیب، موثر انداز و بیانات، مساجد کی اہمیت اور دیگر چیزوں کی ٹریننگ کا ہدف رکھا گیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے دار العلوم وارثیہ لکھنؤ میں بھی اس کی کلاسیں لی گئی تھیں، اس کے نتائج کافی اچھے نظر آرہے تھے، مگر یہ کام بھی سرد خانے میں چلا گیا، جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ اس لیے کہ مساجد کے ذریعہ لائی جانے والی کسی بھی تبدیلی مہم، سرگرمی کی بات جب ہم کرتے ہیں تو ائمۂ کرام بلا تردد گفتگو کے مرکزی نقطہ پر رہتے ہیں، اس لیے کہ ان کے بغیر کسی بھی منصوبہ کا، جو مسجد کے ذریعہ ہو، شرمندۂ تعبیر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کام کی جہت متعیّن ہونے کے بعد ساری ذمہ داری ائمۂ کرام کے کاندھوں پر آجاتی ہے اور انھیں کی محنت، لگن، خلوص، جفاکشی پر قوم و ملت کی سرگرمیوں کی فلاح و بہبود اور کامیابی کا دارومدار ہوتا ہے۔ ہمارے سیمینار، سمپوزیم اور مباحثے ایک طرف اور امامِ مسجد کی محنت ایک طرف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نہ صرف ائمۂ کرام کی ذمہ داریوں کا تعین ضروری ہے بلکہ اب ائمہ کرام کے اندر بھی اپنی ذمہ داریوں کے تئیں احساس اور جذبہ ہونا ضروری ہے، خاص کر آج کے بگڑے حالات اور تکدر زدہ فضا کو دیکھ کر ائمۂ کرام کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں کہ وہ داخلی اور خارجی احوال پر نظر رکھتے ہوئے دینی تعلیم، اتحاد و اتفاق، روحانیت اور اخلاقی قدروں کے فروغ وارتقا کی تمام ممکنہ تدابیر کو بروے کار لائیں اور مذہب و مسلک کی ترقی میں اپنی خدمات پیش کریں۔ اب رہا یہ سوال کہ ائمۂ کرام کی اہم ذمہ داریاں کیا ہو سکتی ہیں اور کس چیز کو زیادہ فوکس کرنے کی ضرورت ہے؟ تو اس حوالے سے چند نکات تحریر کیے جارہے ہیں، جن کی طرف توجہ کچھ نہ کچھ اچھے اثرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱)-مجروح ہوتے وقار کو بحال کریں: امام کا درجہ و مقام قوم کے قائد و رہنما سے کم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کی عزت اور تعظیم و توقیر بھی اس طرح ہونا چاہیے جس سے قائدانہ وقار کی شناخت ہو، مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگوں نے امام کے ساتھ جو سلوک اور رویہ کر رکھا ہے اس سے امام کے قائد کے بجاے ایک نوکر اور خادم کا گمان ہوتا ہے اور اس ستم ظریفی کے نتیجے میں ہمیں اب یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ایک مسجد کا امام کھانے کے لیے خود ہی ٹفن لیے گھر گھر جارہا ہے اور جمعہ کے دن پیشاب گھر کی صفائی تک کا ذمہ امام صاحب کے کاندھوں پر رکھ دیا گیا۔ اب اس کے ردِ عمل میں ہم قوم کو خود غرض، جاہل، بدتمیز جیسے الفاظ سے تعبیر کر کے اپنی بھڑاس نکال لیں اور بڑی حد تک سچ بھی یہی ہے، مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ کہیں نہ کہیں سے ہمارے کردار و گفتار اور اخلاق کا بھی اس میں دخل ہے، ورنہ بکثرت ایسے ائمۂ کرام کی بھی نشان دہی کی جا سکتی ہے جو بہت بڑے عالم و مفتی تو نہیں مگر اپنی ملنساری، اخلاق، دینی خدمات اور سماجی سرگرمیوں کی بدولت ایک حلقہ میں اپنا اثر و رسوخ رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ لوگ انھیں بھرپور عزت و وقار دیتے ہیں بلکہ اپنے نجی معاملات میں بھی انھیں حکم بنانے کی خواہش کرتے ہیں۔ ایسے ائمۂ کرام کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ اور عوامی مقبولیت کے ذریعہ اپنی سطح پر جب چاہیں انقلابی مہم چھیڑ سکتے ہیں اور بڑی آسانی سے کسی بھی طرح کا ماحول ساز گار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ائمۂ کرام کو اپنے گرتے وقار کو سنبھالنا ہوگا اور احساسِ کم تری کے بجاے قائدانہ سوچ اپنانا ہوگی۔ جب کہ دوسری طرف ائمہ کے تعلق سے عوامی بیداری لانے کی ذمہ داری ہم سب کی بنتی ہے، بصورتِ دیگر جن اماموں کو مقتدی اپنی انگلیوں کے اشاروں پر رکھتے ہوں، ایسے ائمہ سے کسی بھی دینی ذمہ داری اور مستقل محاذ آرائی کی امید رکھنا کم از کم

میرے خیال سے تو فضول بات ہے۔

(۲)-جمعہ کے خطبات: جیسا کہ ہم نے اس بات کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا تھا کہ جمعہ سے پہلے ہونے والی خطابت پر کئی سالوں سے بے اعتنائی کی دبیز پرت جم گئی ہے اور اس سلسلہ میں عام طور پر خانہ پُری کا ذہن بنا لیا گیا ہے جب کہ ان خطبات کی معنویت و افادیت ہر دور میں مسلّم رہی ہے، مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ اب ائمۂ کرام کو دھیرے دھیرے ان خطبات کی اہمیت کا احساس ہو چلا ہے۔ جیسا کہ ابھی چند دنوں پہلے وزیر تعلیم جناب کپل سبل کے ذریعہ ائمۂ کرام کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑنے کے لیے ٹیبلیٹ کی تقسیم کے ایک پروگرام میں اس کا اثر دیکھنے کو ملا، اس جلسہ میں جہاں اس بات کو بار بار دُہرایا گیا کہ اخلاقی قدروں کے زوال، تہذیب و ثقافت کے بدلتے معیار اور جدت پسندی کے نام پر ہو رہی اس بے حیائی کو سیاست سے نہیں بلکہ امامت سے بدلا جا سکتا ہے تو دوسری طرف ملک کے تمام معروف و مشہور ائمۂ مساجد نے جس چیز پر زیادہ زور دیا وہ جمعہ کی تقریر کا موضوع تھا، یعنی اسے مزید موثر اور مفید بنایا جائے اور اس کے لیے ہر شہر میں "ائمۂ مساجد" کی تشکیل کی بھی تجویز رکھی گئی، جس کے ذریعہ شہر کی تمام مساجد کے لیے ایک ہی موضوع کا تعین کیا جائے اور ائمہ اپنی اپنی علمی لیاقت کے مطابق اس پر روشنی ڈالیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ عوامی دلچسپی اور رغبت میں اضافہ ہوگا بلکہ عوامی رابطوں کا استحکام بھی ہوگا جس کا بالواسطہ تعلق دینی سرگرمیوں سے جا ملتا ہے، لہٰذا ائمۂ کرام جمعہ کے خطبات کی سلیقہ مندی پر دھیان دیں۔

(۳)-مکتب کا نظام: آج اہلِ سنت و جماعت کے علاوہ دیگر فرقے کے لوگ اپنی اکثر و بیش تر مساجد میں ایک مکتب کا لازمی الحاق کیے ہوئے ہیں جہاں بڑی عیاری سے وہ بچوں کی ذہنی تختیوں پر اپنے باطل عقائد کے مضامین لکھ رہے ہیں، نتیجے میں یہ بچے جوان ہو کر نہ صرف اپنے عقائد اور فکری رجحانات پر متصلّب ہو جاتے ہیں بلکہ مختلف شعبوں سے جُڑ کر اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں تعاون کرنے لگتے ہیں۔ چوں کہ اس کے اثرات دیرپا اور مثبت ہوتے ہیں اس لحاظ سے ہمارے ائمۂ کرام کی میرے خیال سے سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی مساجد میں بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کا انتظام لازمی کر لیں، یہ کام جہاں صبر آزما ہے وہیں ثمر آور بھی ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے نہایت قیمتی معلومات دینا چاہوں گا کہ اب مکتب کے فرسودہ نظام جو قرآن ناظرہ اور بہارِ اردو تک محدود ہے، اس میں کچھ تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ روایتی طور پر ہمارے بچوں کو قرآن ناظرہ اور اردو خوانی تو آجاتی ہے مگر اسلامی احکامات سے ان کی واقفیت صفر ہی رہتی ہے اور اس میں تبدیلی کے لیے اب سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسلامی تعلیمی بورڈ آف انڈیا، جس کے روح رواں علامہ شاہ عبد الحمید صاحب ملیباری ہیں، کے ذریعہ مکتب کے لیے ایک بہت ہی موثر جدید طرز اور بچوں کی نفسیات کے مطابق نہایت جامع نصاب تیار کر دیا گیا ہے، جس نے بہت کم مدت میں ملک کی اکثر و بیش تر ریاستوں میں مقبولیت حاصل کر لی ہے، جس نے پرانے اسلوبِ درس کو بدل کر بالکل جدید رنگ و آہنگ میں پیش کیا ہے۔ اہلِ سنت کے عقائد پر مشتمل یہ جامع نصاب ہر امام کو اپنی مسجد میں لاگو کر لینا چاہیے۔ اس سلیبس (نصاب) کی مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر دیکھ سکتے ہیں۔ www.iedindia.com یہ میرے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ پر مشتمل مشورہ ہے جو صرف مکتب چلانے کے نئے مزاج سے آگاہ کرنے کی غرض سے تحریر کر دیا گیا ہے، خیر بتانا یہ مقصود ہے کہ ائمۂ کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ گرد و پیش کے مسلم بچوں کی بنیادی تعلیم کا خیال کریں۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان بچوں کے توسط سے ان کے گھر سے روابط خوشگوار ہو جاتے ہیں اور اب اکثر کام روابط ہی سے ہو رہے ہیں۔

(۴)-آپسی تعلقات: آپسی رقابت اور تنفر پسندی اگر عام لوگوں کے درمیان ہو تو اس کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے مگر جب یہی مرض دو مذہبی شخصیت کو لاحق ہو جائے تو پورے معاشرے کے جھلسنے کا ڈر رہتا ہے، لہٰذا ائمۂ کرام آپس میں خوشگوار تعلقات بنانے اور ہمیشہ بنائے رکھنے کی کوشش کریں، تاکہ قوم کو درپیش مذہبی مسائل کا اجتماعی طور پر حل ہو سکے۔ مذکورہ بالا تمام ذمہ داریوں کے بعد ایک اہم ذمہ داری ائمۂ کرام کی یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے نوجوان نسل کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں، وقت آنے پر اس کا فائدہ خود محسوس کر سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مساجد کی افادیت آج بھی اپنے عروج پر پہنچ سکتی ہے، جیسا کہ ماقبل میں تھیں اور ابھی بھی ہم اسے سرگرم مراکز میں تبدیل کر سکتے ہیں، بس ایک بار پھر ائمۂ کرام خلوص و جذبات کے ساتھ آگے آئیں اور اپنی سطح پر کام کا آغاز کریں۔ ☆☆

مساجد کی مرکزیت کو بحال رکھنا ہماری مذہبی ذمہ داری ہے

از:مولانا ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

اسلام کی تہذیبی و تمدنی تاریخ سے مساجد کا بڑا گہرا رشتہ ہے، اسلام کی ترویج واشاعت میں مساجد کا کلیدی کردار رہا ہے۔ مساجد نہ صرف یہ کہ اسلامی عبادت گاہیں ہیں بلکہ دین کی دعوت وتبلیغ اور مسلمانوں کے مذہبی ،سماجی، معاشرتی مسائل کے حل کے اہم مراکز بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد میں مسجد نبوی فرزندان توحید کی دینی ومذہبی سرگرمیوں کا اہم مرکز تھی۔ دین کی دعوت وتبلیغ، اسلامی افکار نظریات کی ترسیل، دینی ومذہبی امور کے سلسلے میں باہمی مشاورت کے لیے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مسجد نبوی میں مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ داعی اعظم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کی عملی وفکری تربیت کے لیے مسجد نبوی میں رونق افروز ہوتے اور انہیں دین کے احکامات کی تعلیم فرماتے۔ مختلف علاقوں کے لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر درس گاہ نبوی کے چشمہ فیض سے سیراب ہوتے۔ صحابہ کرام کی متعدد جماعتیں بھی مسجد نبوی شریف کے مختلف گوشوں میں ذکر وفکر اور درس وتدریس کی بابرکت محفلیں سجایا کرتی تھیں۔ ان ہی مقدس مجالس کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ سرکار ابد قرار ﷺ ایک مرتبہ مسجد نبوی شریف کی دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا دونوں مجلسیں خیر کی ہیں لیکن ان میں ایک مجلس دوسری سے افضل ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم۔ ص:۳۶، مجلس برکات مبارک پور)

اسلام کی دعوت اور تبلیغ احکام کے باب میں مسجد نبوی کی مرکزی حیثیت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے عرب کی کفر وشرک سے آلودہ قوم کو اسلام کے دامن سے وابستہ کرنے کی جو داعیانہ جد جہد کی اس میں مسجد نبوی کو ایک دعوتی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ داعی اعظم ﷺ اسلامی احکامات کی ابلاغ وترسیل اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت کے لیے مسجد نبوی کے مقدس منبر سے خطبات ارشاد فرمایا کرتے۔ ان خطبات میں دین کے احکامات، اسلام کے نظریات، اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی، معاشرتی، سماجی مسائل بھی بیان ہوتے تھے، صحابہ کرام آپ سے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق احکام دریافت کرتے۔ اپنی پریشانیوں کا حل طلب کرتے، آپسی مسائل آپ کے سامنے پیش کرتے اور آپ انہیں حسب حال جواب مرحمت فرماتے۔

عہد رسالت ہی میں مدینہ منورہ اور اطراف میں متعدد مساجد وجود میں آچکی تھیں، یہ مساجد عبادت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت سینٹر بھی تھیں، صحابہ کرام ان مساجد سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام بھی کیا کرتے تھے، یہاں سماجی ومعاشرتی مسائل بھی حل ہوا کرتے تھے، صحابہ کرام باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مساجد میں حاضر ہوتے، یہاں فریضہ نماز کی ادائیگی کے ساتھ ایک دوسرے کے احوال سے بھی واقفیت ہو جایا کرتی تھی، ایک دوسرے کی ضرورتوں کی معلومات ہو جاتی ،دینی ومذہبی معاملات میں باہمی مشاورت بھی فرمایا کرتے۔ مساجد میں باجماعت نماز کا جو اسلامی حکم ہے اس کی مجملہ حکمتوں میں ایک بڑی حکمت فرزندان توحید کو اجتماعیت اور مرکزیت کا تصور عطا کرنا بھی ہے۔

اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں مساجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے، ہر دور میں مساجد مسلمانوں کی عظمت وسطوت کی نشانی سمجھی گئی، مساجد ربط باہم اور اسلامی سماج کی تعمیر وترقی کا ایک بہترین وسیلہ ہیں۔ عبادت گاہیں تو ہر قوم کی ہوتی ہیں لیکن عبادت میں اجتماعیت کا یہ تصور دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ اس لیے مساجد کی مرکزیت کو بحال رکھنا ہم سب کی مذہبی ذمہ داری ہے۔ وہ قبائل وخاندان سرخرو رہے جنہوں نے اسلامی شعائر کی حفاظت کی اور ان کی عظمت وسطوت کو باقی رکھا، جس قوم نے اپنی اسلامی وراثت کی حفاظت نہیں کی آج تاریخ میں ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں آج کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ ہماری قوم کس راستے پر جا رہی ہے۔ ہم نے مساجد کی اہمیت کو فراموش کر دیا ہے، ہمارے یہاں مرکزیت کا کوئی تصور نہیں۔ آج مسجدوں سے دین کی دعوت وتبلیغ اور سماج ومعاشرہ کی اصلاح کا جو کام ہونا چاہیے، نہیں ہو پا رہا ہے۔ ہم دانستہ یا نادانستہ دعوت وتبلیغ کے ایک موثر ترین ذریعہ سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ اصلاح معاشرہ کے نام پر ہمارے یہاں بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہو جایا کرتی ہیں۔ قوم کے پیسوں کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے لیکن ان اجلاس کا حاصل کیا ہوتا ہے؟ شہرت، عزت، نام ونمود، تفریح طبع۔ اگر مقصود اصلاح معاشرہ ہی ہے تو اس کے لیے کانفرنسوں سے زیادہ مفید اور موثر ترین پلیٹ فارم مساجد ہیں۔ مساجد میں مختصر دورانیے کے اصلاحی پروگرام منعقد کیے جائیں، درس حدیث، درس قرآن کا اہتمام کیا جائے اور حسب ضرورت مصلیان کی اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیا جائے۔ مساجد کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام خاطر خواہ ہو سکتا ہے۔

مساجد سے دینی واصلاحی کام انجام دینے کے لیے ائمہ مساجد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سماج ومعاشرے کی اصلاح اور دینی احکام کی ترویج واشاعت میں ائمہ مساجد کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، ائمہ مساجد کا تعلق چوں کہ عوام سے براہ راست ہوتا ہے، یہ حضرات مذہبی حلقوں کی ضروریات اور تقاضوں سے صحیح طور سے واقف ہوتے ہیں، اس لیے دعوت واصلاح کا کام جس موثر ترین انداز میں ائمہ کرام انجام دے سکتے ہیں، اس کی امید دوسروں سے نہیں کی جاسکتی۔ ائمہ مساجد کو چاہیے کے اپنی ذمے داریوں کو سمجھیں اور دین کے بے لوث خادم کی حیثیت سے مساجد کی پاکیزہ فضاؤں سے کلمہ حق بلند کریں تو ایک عظیم انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

ذیل کے سطور میں ائمہ کرام کے لیے کچھ رہنما اصول ذکر کیے جاتے ہیں جن کی روشنی میں دین کی تبلیغ واشاعت کا کام بحسن وخوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔

(۱) ائمہ کرام قوم کے مذہبی رہنما اور ملت کے معمار ہوتے ہیں لہذا انھیں سب سے پہلے اپنی قدر ومنزلت سمجھ کر اعلیٰ اوصاف وکردار اور بلند فکر ونظر کا حامل ہونا چاہیے۔

(۲) دین کی دعوت وتبلیغ میں اخلاص وللّٰہیت اولین شرط ہے۔ ائمہ کرام کو اس وصف خاص کا حامل ہونا چاہیے۔

(۳) دین کی دعوت وتبلیغ موثر انداز میں کرنے کے لیے ہر جمعہ منتخب اصلاحی اور اہم مسائل پر پوری تیاری کے ساتھ تقریریں کریں جس میں عام اور سادہ زبان وبیان کا استعمال ہو۔ حالات اور تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔

(۴) ماہ دو ماہ پر ایک ایسی مجلس ہو جس میں کسی دین دار، متقی عالم دین کا اصلاحی خطاب ہو۔

(۵) امام صاحب اپنے ملنے والوں، قرب وجوار کی آفسوں، دکانوں میں ملازمت پیشہ لوگوں سے نجی طور پر مل کر انھیں خیر کی طرف بلائیں۔

(۶) ہفتے میں ایک مرتبہ چند افراد کے ہمراہ اپنے محلے کے مسلمانوں کے گھروں پر جاکر نماز کی دعوت دیں، دین کی باتیں بتائیں اور انھیں نہایت نرمی اور سنجیدگی کے ساتھ برے کاموں سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

(۷) جن محلوں میں مکاتیب یا مدارس کا انتظام نہ ہو وہاں محلے اور قصبے کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مسجد ہی میں مکتب کا انتظام کریں۔

(۸) ہر مسجد میں ایک بلیک بورڈ رکھا جائے اور روزانہ چھوٹے چھوٹے مسائل اس پر لکھتے رہیں۔ مثلاً وضو، غسل اور استنجا وغیرہ کے مسائل اس پر لکھتے رہیں لیکن یہ مسائل کتاب دیکھ کر لفظ بہ لفظ لکھیں اور حوالے بھی درج کریں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ لکھیں۔

(۹) پڑھے لکھے طبقہ تک اہل سنت کا اصلاحی لٹریچر حسب ضرورت مختلف زبانوں میں پہنچانے کی کوشش کریں۔

(۱۰) اسکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو دین سے قریب کرنے کے لیے ان کی تعطیلات کے موقعوں پر دینی تربیتی کیمپ کا انعقاد کریں۔

(۱۱) بعد نماز مغرب قانون شریعت کا سبقا سبقا درس دیں۔

(۱۲) محلے کے ذمے دار اور با اثر لوگوں سے رابطہ کریں اور انہیں دین وسنیت کی جانب راغب کرنے کی کوشش کریں۔

(۱۳) بد مذہبوں کی کسی تقریب میں شرکت نہ کریں، اور کسی تقریب میں کوئی بد مذہب بھی شریک ہو، ہرگز اس میں شریک نہ ہوں۔

(۱۴) ائمہ کرام آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں، علاقائی، مشربی اور ہر طرح کی آپسی اختلاف سے باز رہیں۔

(۱۵) مسلمانوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل نیز آپسی اختلافات کے خاتمہ اور اتحاد واتفاق کی خوش گوار فضا قائم کرنے کے لیے حسن تدبیر کا مظاہرہ کریں۔

(۱۶) خطبات جمعہ مسلمانوں کے لیے تذکیر وموعظت اور دعوت وتبلیغ کی ایک مسلسل تدبیر ہے، جس کی مثال کسی قوم میں نہیں ملتی۔ مسجد کا پاکیزہ ماحول مصلیوں کے دلوں پر گہرے نقوش مرتسم کرتا ہے، لہذا جمعہ کے خطبات کو قوم کی اصلاح اور ان کی تربیت کے لیے موثر ترین بنایا جائے۔ خطبات نہایت سادہ زبان وبیان میں ہوں، موضوعات کے انتخاب میں عوام کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں کا خیال رکھا جائے، اسلامی احکامات کے ساتھ سماجی مسائل اور اخلاقیات پر بھی گفتگو کی جائے۔ سیرت نبوی کے حوالے سے زندگی کے مختلف مراحل میں درپیش مسائل کا حل بتایا جائے۔

(۱۷) ائمہ کرام نماز کے اوقات خاص طور جمعہ کی نماز میں اوقات کا خاص خیال کریں، متعیّنہ اوقات کی پابندی بہر حال ضروری ہے، دیکھا یہ جاتا ہے امام صاحب خطاب کے لیے کھڑے ہونے کے بعد اوقات کا خیال نہیں کرتے اور مکمل آزاد ہو کر جب تک جی چاہتا ہے اپنے جذبۂ خطابت کو تسکین پہنچاتے رہتے ہیں، مصلی حضرات ایسے ائمہ سے بددل ہوجاتے ہیں، اور ایسا خطاب بے اثر بھی ہوجاتا ہے، خطاب مختصر اور جامع ہونا چاہیے اور وہ بھی متعنیہ وقت کے اندر۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆☆☆

سید شاہ فخرالدین اشرفؔ کا ادبی زاویۂ نظر

ڈاکٹر آفاق فاخری

مخدوم المشائخ حضرت مولانا سید شاہ عبدالحی اشرف (۱۹۰۲ء-۱۹۶۶ء) اپنے وقت کے عدیم المثال، صوفی بزرگ اور خاندانِ اشرفیہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی شخصیت ایک سچے عالم باعمل، پیر طریقت اور صوفیِ باصفا کی تھی جو ایمان کی پختگی اور عقیدہ کی مضبوطی کے ساتھ میدانِ عمل میں اپنے اسلاف کی زندہ و تابندہ مثال تھے۔ صبر و رضا، تقویٰ و طہارت اور توکل و قناعت آپ کے ذاتی صفات تھے۔ مکتب کی تعلیم سے فراغت کے بعد معقولات و منقولات کی تعلیم کے لیے آپ کان پور اور فرنگی محل (لکھنؤ) گئے، یہاں کی تعلیم سے فراغت کے بعد نظام حیدر آباد کے طبیہ کالج سے اول پوزیشن میں تکمیل الطب کی سند حاصل کی اور بکھاری واپس آکر اپنے والد محترم کی نگرانی میں طبابت کا کام شروع کیا۔ ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ر مئی ۱۹۳۵ء کو آپ اپنے والد بزرگوار کے بعد آستانۂ عالیہ حضرت مخدوم اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشیں ہوئے اور آخر عمر تک سجادہ نشینی و دیگر امور متعلقہ آستانہ کو بحیثیت سجادہ نشیں و متولی بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ آپ کے مزاج میں استغنا و بے نیازی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے سید شاہ ظفر الدین اشرف آستانۂ عالیہ مخدوم اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبِ سجادہ قرار دیے گئے۔ عرفِ عام میں عقیدت و محبت سے لوگ آپ کو "بابو میاں" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ۸ر جون ۱۹۸۹ء کو حضرت بابو میاں کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ آستانۂ مخدوم اشرف کے بالائی صحن پر آپ دیگر سجادگان کی طرح مدفون ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں حضرت سید شاہ ظفر الدین اشرف کے انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ فخرالدین اشرف آستانۂ عالیہ مخدوم اشرف سمنانی کی مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے اور تاہنوز خانوادۂ اشرفیہ کے فیوض و برکات کا یہ پاکیزہ سلسلہ آپ کی ذاتِ گرامی سے منسلک ہے۔

پیرِ طریقت حضرت سید شاہ فخرالدین اشرف اشرفی الجیلانی (سجادہ نشیں آستانہ حضور غوث العالم) کی ذات ستودہ صفات یادگارِ سلفِ صالحین ہے۔ وضع داری، شریف النفسی، شیریں کلامی، خاطر داری، زہد و تقویٰ، پرہیز گاری اور حسنِ اخلاق آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔ آپ نہایت سادہ، صوفیانہ اور فقیرانہ مزاج رکھتے ہیں، جو کوئی بھی آپ سے ملتا ہے خواہ وہ کتنا ہی اجنبی ہو وہ آپ کے انداز و اطوار اور گفتار و کردار سے متاثر ہو کر آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ فخر المشائخ حضرت سید شاہ فخرالدین اشرف قبلہ صرف گوشہ نشیں قسم کے صاحبِ سجادہ نہیں بلکہ آپ کے افکار و خیالات پر عصری آگہی اور عصری حسیت کے نقوش نمایاں نظر آتے ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ میں آپ نائب صدر کی حیثیت سے کارہائے نمایاں انجام دیتے رہتے ہیں۔ موصوف کو اردو زبان و ادب سے بھی گہری دل چسپی اور لگاؤ ہے۔ بنیادی طور پر آپ کی شخصیت علم سے مزین ہے، آپ کی رسم بسم اللہ آستانۂ عالیہ مخدوم اشرف پر ادا کی گئی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے علی گڑھ سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا، بعد ازاں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۸ء میں عالمیت کی سند سے سرفراز ہوئے۔ حالاتِ حاضرہ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے جس طرح قومی یک جہتی کے تصور کو عام کر کے بندگانِ خدا کو انسانیت کا درس دیا ہے، اسی روایت کے آپ عصر حاضر میں نمائندہ اور ترجمان ہیں۔

اردو زبان و ادب سے آپ کو بھرپور دل چسپی اور شعر و سخن سے فکری لگاؤ ہے۔ یہ آپ کی خاندانی روایت ہے، آپ کے والدِ بزرگوار حضرت سید شاہ عبد الحی اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوشؔ کچھوچھوی نے فنِ شاعری میں حضرت سیماب اکبر آبادی سے علمی و فنی اکتساب کیا اور میدانِ شاعری میں انھیں کو اپنا استاد تسلیم کیا۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں۔

کیوں نہ ہو رنگ آفرینیِ ہوشؔ کے اشعار میں
جب مصور حضرتِ سیماب سا استاد ہو

سید شاہ فخرالدین اشرف قبلہ کو علمی و ادبی مشاغل سے کافی دل چسپی ہے۔ آپ کی کئی کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "اردو نظم کا ارتقا" ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اردو کے تاریخی پس منظر کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتابچہ طالب علموں کی سہولت کے پیشِ نظر لکھا گیا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں۔

"محمود غزنوی کے حملے کے دو برس کا زمانہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ ان دو برسوں میں یہاں کی زبان حاصل کرنے میں کافی دل چسپی اور حوصلے کا ثبوت دیا۔ مسعود سعد جو اس دور کا اچھا شاعر گزرا ہے، اس نے فارسی اور

ترکی کے علاوہ سندھی زبان میں بھی دیوان لکھا ہے۔ اسی دور میں مغربی ہندی سے برج بھاشائیں اور کھڑی بولی دو شاخائیں نکل آئیں۔ دیسی بولیوں میں تیزی سے فارسی کے الفاظ مستعمل ہونے لگے۔ فارسی اور دیسی زبان سے مل کر وجود میں آنے والی زبان ہی آگے چل کر اردو زبان کے نام سے موسوم و معروف ہوئی اور رفتہ رفتہ ہر دل عزیز زبان بن کر زبان زد خاص و عام ہوگئی۔" (ص:۱۱)

"جب شاہ جہاں نے دہلی کو دوبارہ آباد کیا، شاہی تخت جو دہلی سے آگرہ چلا گیا تھا، وہ پھر آگرہ سے دہلی واپس آگیا، برج بھاشا کو بھی موقع ملا، وہ آگرہ سے دہلی تک پہنچ آئی، لیکن برج بھاشا زیادہ دنوں تک دربار کی منظورِ نظر نہ رہ سکی، بلکہ کھڑی بولی کے اثر نے اس کی مقبولیت کو دبا دیا۔ شاہجہاں کے دور حکومت میں کھڑی بولی کی کافی ترقی ہوئی، اس لیے اردو زبان کو شاہجہانی اردو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔" (ص:۱۳)

حضرت سید شاہ فخر الدین اشرفؔ کی ایک اور کتاب "اردو زبان کا ارتقا" ۲۰۱۳ء میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب میں اردو زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی مختصر تاریخ بھی پیش کی گئی ہے۔ ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں، جس سے سید شاہ صاحب کے ادبی نقطۂ نظر اور افکار و خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔

"جو لشکر دہلی سے دکن گیا اور وہاں رہنے لگا تو یہ اپنے ساتھ اردو زبان کو بھی ساتھ لیتا گیا، گویا ان لوگوں کے قیام کے ساتھ ساتھ اردو کا آغاز دکن میں بھی ہوا، اس طرح دکن میں تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو گیا۔" (ص:۱۲)

"خلجیوں اور تغلقوں کے دورِ حکومت میں گجرات دہلی کا صوبہ رہا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم فاتح حکمرانوں کے ساتھ علما اور اولیاء اللہ بھی پہنچتے رہے، اس لیے اسلام کی چھاپ اور مہر لگے بغیر نہ رہ پاتی تھی۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد اولیاء اللہ کے فیض سے گجرات میں اردو کی ابتدا ہوئی اور آہستہ آہستہ پھلتی پھولتی گئی۔" (ایضاً)

"حسن بہمنی نے سرکاری زبان فارسی کے بدلے ہندی کو رکھا اور اردو ادب کی بھی بنیاد ڈالی۔ دکن کا سب سے پہلا اردو مصنف شیخ گنج العلم ہی کو مانا جاتا ہے۔" (ایضاً، ص:۱۳)

اسی طرح انھوں نے حضرت گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شمس العشاق شاہ میران جی، شاہ برہان الدین حاتم، شاہ امین الدین اعلیٰ اور دورِ قطب شاہی کا اجمالی تذکرہ قلم بند کیا ہے۔

عہدِ مغلیہ میں اردو کے ارتقائی منظر نامے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی آمد اور اردو کی اشاعت اور ترسیل کا بھی انھوں نے جائزہ پیش کیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات پر بھی انھوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

"حالاں کہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی وابستگی فورٹ ولیم کالج سے صرف چار سال رہی، لیکن اس قلیل مدت ہی میں ملک کے نام ور انشا پردازوں کو اکٹھا کر کے کتابیں لکھوائیں، جس کے اندر سلاست و روانی، دلچسپی و رنگینی تھی۔ مقفیٰ عبارتوں اور تحریروں سے گریز کیا، فورٹ ولیم کالج کے انشا پردازوں نے مقفیٰ و مسجع عبارتوں سے گریز کیا اور سیدھی سادی اور عام فہم عبارت کے رواج کو عام کیا۔" (ایضاً، ص:۲۱)

اس طرح انھوں نے فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مصنفین و انشا پردازوں مثلاً میر امّن، حیدر بخش، میر شیر علی افسوس، مرزا کاظم علی جوان، مرزا علی لطف، مظہر علی خاں ولا اور مرزا رجب علی بیگ سرور کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ رام بابو سکسینہ، سر سید اور ان کے رفقا، محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبد الحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا، راشد الخیری، پریم چند، اختر رائے پوری، کرشن چند اور ماضی قریب کے بہت سے انشا پردازوں، ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں پر بھرپور اظہارِ خیال کیا ہے۔ عصر حاضر کے نمائندہ ناول نگاروں کے ساتھ ساتھ عصری تنقید پر بھی اپنے خیالات کا مختصراً اظہار کیا ہے۔ اس سے فخر الدین اشرف کے ادبی نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چند اقتباسات پیش ہیں:

" شاعری کی دنیا میں غالب محتاجِ تعارف نہیں، عوام غالب کو شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے، لیکن نثر کی دنیا میں بھی وہ کسی حال سے کم نہیں ہیں۔ غالب اپنی یکسانیت، لب و لہجہ اور سادگی کی وجہ سے یکتائے روز گار ہیں۔" (ایضاً، ص:۳۲)

"جس طرح دنیائے غزل میں میرؔ کو شہرت ملی اسی طرح پریم چند کو ناول اور افسانے کی دنیا میں شہرت ملی۔ پریم چند اردو کے علاوہ ہندی میں بھی ہر دل عزیز رہے۔ پریم چند جو بھی کردار پیش کرتے ہیں یا جو بھی حرکات و سکنات سامنے آتے ہیں اس میں روز مرہ کی زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔" (ایضاً، ص:۵۱)

حضرت سید صاحب نے اپنی اس کتاب میں اردو نثر کی تمام اصناف، ناول نگاری، اردو ڈرامہ، طنز و ظرافت، مقالات، اخبارات اور جرائد کے تناظر میں اپنے ادبی افکار و نظریات کو پیش کیا ہے۔ آخر میں حضرت شاہ صاحب کی تحریر کے آخری اقتباس پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

"میں نے اردو زبان کا ارتقا اور اس کی نثری تاریخ پر بہت ہی سمیٹ کر روشنی ڈالی ہے، تاکہ ایک نظر میں یہ اندازہ ہو سکے کہ اردو نثر نے مختلف منازل کیسے طے کیے اور آج بھی لوگ کام کر رہے ہیں۔"

(بحوالہ اردو زبان کا ارتقا، ص:۷۸)

نقد و نظر

نام کتاب	:	**شرح آداب المریدین**
شارح	:	حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
مترجمین	:	مولانا قسیم الدین فردوسی / ڈاکٹر علی ارشد فردوسی
مرتب	:	مولانا سیف الدین فردوسی سجادہ نشیں خانقاہ معظم، نالندہ
صفحات	:	۴۸۸ قیمت : ۳۰۰
ناشر	:	مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم بہار شریف، نالندہ (بہار)
مبصر	:	محمد ناصر منیری، منیری منزل، قاضی محلہ منیر شریف، پٹنہ (بہار)

انسانی تاریخ میں تصوف یا صوفی ازم ایک عالمگیر تحریک رہی ہے۔ مشہور مستشرق ایچ. اے. آر. گب کا کہنا ہے:

"تاریخِ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلامی کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ «تصوف» یا «صوفیا» کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا ہے اور اس کو قوت و توانائی بخش دیتا ہے کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص:۳۴)

تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ ابنِ خلدون (م:۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

"تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی آرائش وزیبائش سے کنارہ کش ہوکر عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی جائے اور ہمہ تن اللہ رب العزت کی جانب اپنی عنان توجہ موڑلی جائے اور بغرض عبادت عام انسانوں کے برعکس حبِ دنیا، طلبِ مال و جاہ سے بچا جائے اور مخلوق سے دنیاوی تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔" (مصدر سابق، ص:۳۲)

زیرِ تبصرہ کتاب «شرح آداب المریدین» آداب المریدین (مصنف: خواجہ ابو نجیب سہروردی علیہ الرحمۃ) کی شرح مطالب الطالبین (شارح مخدوم جہاں حضرت شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ) کا اردو ترجمہ ہے، جسے مولانا قسیم الدین فردوسی اور ڈاکٹر علی ارشد فردوسی نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ کتاب تصوف کے باب میں ایک حسین گل دستہ ہے۔

خواجہ ابو نجیب سہروردی علیہ الرحمۃ پانچویں صدی ہجری کے ایک عظیم صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ۴۹۰ھ کو قصبہ سہرورد بغداد میں آپ کی ولادت ہوئی، قاضی وجہ الدین ابو حفص علیہ الرحمۃ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ صحبت و اخذ طریقت حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ آپ کے متعلق فرماتے تھے:

"ابو نجیب بظاہر مجھ سے تصوف کمال حاصل کرتے ہیں لیکن حقیقۃً یہ کمال میں ان سے حاصل کرتا ہوں۔" (شرح آداب المریدین، ص:۲۴)

حضرت خواجہ ابو نجیب نے جب آداب المریدین تصنیف فرمائی تو آپ سے اس کی شرح لکھنے کی درخواست کی گئی، ارشاد ہوا:

"یہ خدمت میرے فرزندوں میں سے ایک انجام دے گا۔"

(مصدر سابق، ص:۱۲)

اسی فرمان کے مطابق آپ کے فرزند معنوی میں سے ایک عظیم محقق، سلطان المحققین، مخدومِ جہاں، حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ القوی نے آداب المریدین کی ایک عظیم شرح لکھی جس کا اردو ترجمہ زیرِ تبصرہ کتاب ہے۔

مخدومِ جہاں علیہ الرحمۃ ۶۶۱ھ کو صوبہ بہار ضلع پٹنہ کے قصبہ منیر شریف میں تولد ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد مخدوم منیری حضرت کمال الدین احمد یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ (۵۱۰ھ-۶۹۰ھ) اور علامہ ابو توامہ بخاری علیہ الرحمۃ سے حاصل کی، بیعت و خلافت حضرت نجیب الدین فردوسی دہلوی علیہ الرحمۃ (م:۶۹۰ھ) سے حاصل ہے۔ آپ کا وصال پر ملال ۶/ شوال المکرم ۷۸۲ھ کو ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک صوبہ بہار ضلع نالندہ کے قصبہ بہار شریف میں ہے۔

مصنف آداب المریدین خواجہ ابو نجیب سہروردی علیہ الرحمۃ ایک جانب شارحِ کتاب حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ کے شیخ ہیں تو دوسری جانب خود مخدوم جہاں سلطان المحققین ہیں۔ اس بنا پر کتاب کے مطالعے میں خاص لطف آتا ہے۔ ایک جانب مخدوم جہاں کے طریقۂ استدلال کا حسن ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ کمال کہ ادب شیخ میں ذرہ برابر فرق نہ آئے، ایسے موقع پر اگر شیخ کی روش کے علاوہ کسی محاکے کا عنوان اختیار فرماتے ہیں تو دوسری طرف ان کے عنوان کی تاویل بھی فرما دیتے ہیں۔ مثلاً: معتقدات صوفیہ کے سلسلے میں ماتن علیہ الرحمۃ نے ذات باری تعالیٰ سے

جسمیت اور جوہریت کی نفی کا عنوان اختیار فرمایا تو شرح میں حضرت مخدوم جہاں، خواجہ عین القضاۃ علیہ الرحمہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

"مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ متکلّمین خداے تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اس طرح کرتے ہیں کہ خدا جسم نہیں، جوہر نہیں، عرض نہیں اور اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا کام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اس شہر کا بادشاہ اینٹ نہیں، پتھر نہیں، کب یہ اس کی مدح ہوگی؟ قسم ہے اس خداوند جل وعلا کی، اس نے اٹھارہ ہزار عالم بنائے ہیں اور تمام عالمین میں کم ترین عالم اجسام ہے۔" (مصدر سابق، ص:۱۴)

اس قول کے نقل کرنے سے ذہن اس بات کی طرف مائل ہو سکتا ہے کہ ماتن علیہ الرحمہ نے جو عنوان اختیار فرمایا ہے اس کے مقابل یہ عنوان درج کرنا کہیں اس بنا پر تو نہیں کہ شارح کو ماتن پر اعتراض ہے، لیکن سرسری طور پر فیصلہ نہ کیا جائے تو قول کی جتنی عبارت کتاب میں درج کی گئی ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ عنوان تو آداب صوفیہ کے مطابق نہیں لیکن ماتن نے در اصل متکلّمین کے فکری انداز میں سوچنے والوں کی اصلاح فرمائی ہے، تاکہ ہر شخص متکلّمین کے انداز فکر پر غلطی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

سبحان اللہ! کیا کمال ہے محض قول کے نقل ہی میں بہ یک وقت دو باتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ شانِ توحید کا یہ انداز ماتن اپنی تنزیہ وادب کے مقام سے نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ان کا اپنا مقام و ادب تو بہت اونچا ہے، البتہ یہ عنوان مخاطب کی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار کیا جا رہا ہے اور یہ دونوں باتیں قول کی نقل اور اس کی عبارت کی مقدار سے حاصل کر لی گئی ہیں۔ پھر آخر میں اعتذار پیش کرتے ہوئے مفہوم کو ظاہر و مبین کر دیا گیا کہ:

"اب جب کہ ہم ناجنسیوں کی صحبت میں مبتلا ہو گئے ہیں تو ایسے لوگوں کی زبان میں ہی گفتگو کرنی چاہیے۔" (مصدر سابق، ص:۱۵)

قارئین کو اس کتاب کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوگا کہ اس کتاب میں کیا نہیں ہے؟ جلالِ کبریائی بھی ہے اور جمالِ مصطفائی بھی — سندِ عشق بھی ہے اور جامِ شریعت بھی — دعوتِ فکر بھی ہے اور عزیمتِ ذکر بھی — حقوقِ نفس بھی ہے اور حظوظِ نفس بھی — غضبِ الٰہی کا خوف بھی ہے اور رحمتِ الٰہی کی بشارت بھی — پھر اندازِ تحریر کہیں مفسرانہ ہے تو کہیں محدثانہ — کہیں متکلّمانہ ہے تو کہیں فقیہانہ۔ اور سب رنگوں میں ہم رنگ ہونے کے باوجود اس میں جو عارفانہ ترنگ ہے وہ اس کتاب کا خاص رنگ ہے، جو کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اس لیے امید ہے کہ یہ کتاب اربابِ ذوق کے حلقے میں دل چسپی اور شوق سے پڑھی جائے گی۔

——

(ص:۵۰ کا بقیہ)... حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ بلاشبہہ خواجۂ علم و فن استاذ العلما حضرت علامہ مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت دنیاے علم کے لیے ایک نہایت ہی مستند، ممتاز اور قابلِ فخر شخصیت تھی۔ انھوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک علم کی خدمت کی ہے اور ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ملک و بیرون ملک تدریس و افتا کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ منطق و فلسفہ، علمِ توقیت، علم حساب اور علمِ فلکیات میں برصغیر ہند و پاک میں ان جیسا کوئی نہیں ہے۔ ان کے اچانک وصال سے علمی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جو شاید کبھی پُر نہ ہو سکے۔ بلاشبہہ وہ امامِ علم و فن تھے اور تلمیذِ اعلیٰ حضرت علامہ ظفر الدین فاضل بہاری قادری رضوی کے علومِ فلکیات کے سچے جانشین تھے۔ تقویٰ و پارسائی کے اعتبار سے بھی ان کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ معاصرین کا ان کی بارگاہ میں اس طرح کا خراجِ عقیدت پیش کرنا ان کی بے پناہ عظمت کی دلیل ہے۔ فلسفہ طراز طبیعت کے حامل ہونے کے باوجود وہ حد درجہ منکسر المزاج اور اپنے اصاغر پر مشفق تھے۔ اہلِ سنت کے محتاط علما مغربی ممالک میں ان کے فتاویٰ کو باقاعدہ سند کی حیثیت دیتے تھے اور ان کے فیصلوں کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں ماہرینِ درسیات علما پیدا کیے جو ملک و بیرون ملک کام کر رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ حضور خواجۂ علم و فن علیہ الرحمہ کا علمی مشن ان کے باصلاحیت اور مخلص تلامذہ کے ذریعہ سے صدیوں تک جاری رہے گا۔ اہلِ سنت و جماعت کے داخلی انتشار کے پس منظر میں ان کے محققانہ قلمی کاوشوں اور دقت طراز فیصلوں نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ فقہی بصیرت کے ساتھ عصری تقاضوں سے بھی واقف تھے۔ ایک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زمانے کے حساس مسائل سے صَرفِ نظر نہ کرے۔ وہ ایسے وقت میں ہم سے رخصت ہو گئے، جس وقت پوری دنیاے اسلام کو ان کی علمی و فکری رہنمائی کی ضرورت تھی۔ ان کے وصال سے پوری ملتِ اسلامیہ غم زدہ ہے۔ امریکہ اور یورپ کے تمام بڑے شہروں میں ان کے ایصالِ ثواب کے لیے تعزیتی جلسے منعقد ہو رہے ہیں۔ ربِّ قدیر ان کی قبرِ پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین یارب العالمین۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

اسیرِ غم - محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن لندن

منظومات

آہستہ آہستہ

قلم آغاز کر اپنا سفر آہستہ آہستہ
رقم کر مدحتِ خیر البشر، آہستہ آہستہ

نبی تشریف لے آئے، خبر سنتے ہی کعبے کے
صنم گرنے لگے سب ٹوٹ کر آہستہ آہستہ

یہ دربارِ رسالت ہے، ادب کے ساتھ رہنا تم
یہاں چلنا جھکا کر اپنا سر، آہستہ آہستہ

محبت سے پڑھو گے نعت جب ان کی جہاں والو
زباں خوشبو سے ہوگی تر بتر، آہستہ آہستہ

بہاتا جا تو ان کی یاد میں آنسو اے دیوانے
چمکتی جائے گی تیری نظر، آہستہ آہستہ

مرے سرکار کا جب حکم جاری ہو گیا ساحلؔ
اکھڑ کر چل دیا دیکھو شجر، آہستہ آہستہ

از: حشمت رضا ساحل، ڈمرو، سیونڈیہ، بوکارو اسٹیل سٹی، جھارکھنڈ

قطعۂ تاریخ وفات

ماہرِ علوم و فنون حضرتُ العلام خواجہ مَظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ

کون اٹھ گیا کہ انجمنِ علم و فن میں ہے
ہر سمت ایک گریہ، بُکا، نالہ، بین، آہ

اک تاج دارِ مملکتِ دانش و خبر
تھا طالبانِ حق کے دلوں کا وہ چین، آہ

علمِ ہیت کا رازداں ، تکسیر کا امیں
وہ منطق اور فلسفہ کا زیب و زین آہ

خنجیرِ ناوکِ اجل آخر کو ہو گیا
کیوں غم زدوں کو موت نہ ہو قلتین آہ

تھا اپنے زورِ علم سے غیروں میں بھی سند
اس سانحے پہ کیوں نہ کریں جانبین آہ

وہ پاسبانِ شرع طریقت کا آشنا
پردہ جو کر گیا تو ہے اک شور و شین آہ

اللہ مغفرت کرے درجات ہوں بلند
کرتے رہیں دعا کہ ہے یہ ہم پہ دَین، آہ

اے برق مجھ کو قطعۂ تاریخ کی تھی فکر
ہاتف نے جو کہا وہ لکھا عین مین، آہ

"یکتائے روزگار کہو نازشِ قلم"

۱۴۳۴ھ

وہ پاک باز خواجہ مظفر حسینؔ آہ

۲۰۱۳ء

از: پروفیسر طلحہ رضوی برق، صدر شعبۂ اردو و فارسی ویر کنور سنگھ یونیورسٹی آرہ

وفیات

پیر طریقت حضرت سید نظمی میاں کا وصال پر ملال

پیر طریقت حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ نے اپنے اکابرین کے طریقوں کو اپناتے ہوئے اپنی پوری زندگی خدمت خلق اور دین متین کی تبلیغ و اشاعت میں گذار دی۔ آپ نے جو تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ۔ حضرت سید نظمی میاں علیہ الرحمۃ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے ان کی اچانک رحلت ہم سب کے لیے باعث رنج و غم ہے ،اللہ تعالیٰ انھیں دارین کی سعادتوں سے نوازے اور انکی قبر انور پر رحمت وانوار کی بارش اور ان کے وارثین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین، آپ ملک کے عظیم ترین نعت گو شاعر تھے ،آپ متعدّد کتابوں کے مصنف تھے ،ان کی نعتیہ اور منقبتیہ شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوکر ہندوستان کے مختلف گوشوں میں مقبول خاص وعام ہو چکے ہیں، موصوف شاعر رسول کی حیثیت سے ملک و بیرون ملک میں مشہور و مقبول تھے ،آپ کو متعدّد زبانوں پر عبور حاصل تھا، آپ قرآن مجید کے اردو ترجمہ کنزالایمان کے ہندی مترجم تھے۔

حضرت سید نظمی میاں علیہ الرحمۃ کی ولادت ۴/ اگست ۱۹۴۶ء مارہرہ شریف، کاس گنج میں ہوئی، آپ کی ابتدائی تعلیم ممبئ اور ثانوی تعلیم مارہرہ شریف میں ہوئی ، آپ جامعہ ملیہ دہلی سے بی اے اور اسلامیات اور انگریزی زبان و ادب میں ایم اے کر ہی رہے تھے کہ اسی دوران سنٹرل انفارمیشن میں منتخب کیے گئے اور پہلی پوسٹنگ دہلی ہی میں (پی آئی بی) میں اسسٹنٹ جرنلسٹ کے عہدے پر ہوئی پھر ممبئ منتقل ہوکر ایف ڈی میں آل انڈیا ریڈیو کے سنیر کراسپاؤنڈنٹ کے عہدے پر مقرر ہوئے ،اطلاع کے مطابق آپ کا انتقال پر ملال ۶/ نومبر ۲۰۱۳ء کو ہوا پہلی مرتبہ آپ کی نماز جنازہ ممبئ میں ہوئی پھر ۷/ نومبر ۲۰۱۳ کو مارہرہ مطہرہ میں، آپ کی تجہیز و تدفین آپ کے آبائی وطن مارہرہ مطہرہ میں ہوئی۔ جامعہ کے جملہ طلبہ واساتذہ نے قرآن خوانی کر کے حضرت سید نظمی میاں علیہ الرحمہ کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ از: رحمت اللہ مصباحی

حضرت مولانا نصر اللہ مصباحی بھی نہیں رہے

معروف عالم دین ،بلند پایہ مصنف اور بے مثال مضمون نگار حضرت مولانا نصر اللہ مصباحی کی طبیعت تھوڑی بہت عرصہ دراز سے علیل چل رہی تھی، وہ اپنے معمولات کے مطابق سارے کام کو انجام دینے کے ساتھ تدریسی خدمات بھی بحسن و خوبی انجام دے رہے تھے مگر اطلاع کے مطابق گزشتہ شب حالت کچھ زیادہ ہی نازک ہوگئی، اہل خانہ اور احباب فورا مقامی ڈاکٹر کے پاس لے گئے لیکن ڈاکٹر نے حالت بگڑتی دیکھ کر اعظم گڑھ کے لیے ریفر کر دیا، اعظم گڑھ ڈاکٹر احتشام کے یہاں پہنچے وہاں پر اچانک ۹/ نومبر کی صبح ۴/ بج کر ۱۵ منٹ پر آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور موت کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی ولادت ضلع مئو کے بھیرہ ولید پور میں ۱۵/ فروری ۱۹۵۶ء میں ہوئی ،ابتدائی تعلیم پرائمری و درجہ فارسی مقامی مدرسہ رحیمیہ میں ہوئی ، درجات فارسی و عربی تا فضیلت دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی آپ ۱۹۶۸ء میں داخل ہوئے اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۷۴ء میں فراغت حاصل کی اور اسی سال تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے مدرصہ ضیاء العلوم ادری کے استاذ مقرر ہوئے، یہاں کچھ سال تعلیم دینے کے بعد ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم غوثیہ نظامیہ جمشید پور بہار تشریف لے گئے وہاں بھی تدریسی خدمات انجام دی، پھر ۱۹۷۸ء میں مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ تشریف لائے اور تاحال یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تدریس، تصنیف، مقالہ نویسی، حاشیہ نگاری اور سمیناروں میں شرکت آپ کے مشاغل تھے، برکات السراج حاشیہ سراجی، رسم الفرائض، بہار جاوداں حاشیہ گلستاں اور ضوفشاں حاشیہ بوستاں وغیرہ آپ کے عظیم کارناموں میں سے ہیں۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازہ ۹/ نومبر کو بعد نماز ظہر تقریبا دو بجے جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی اقتدا میں ادا کی گئی، آپ کے جنازے میں جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ، مقامی مدارس اور قرب و جوار کے مدرسوں کے اساتذہ و طلبہ خاصی تعداد میں شریک ہوئے ، مولانا کے وارثین میں اہلیہ کے ساتھ چار لڑکے شاہد رضا ، مولانا حامد رضا، حافظ شاداب رضا ،احمد رضا اور پانچ لڑکیا ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک میں بعد نماز فجر ایک تعزیتی پروگرام منعقد ہوا جس میں اساتذہ و طلبہ نے قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کر کے مولانا کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ دعا ہے مولی تعالی انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور پسماندگان اور متعلقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

نوٹ: ان دونوں بزرگوں پر تفصیلات آئندہ ماہنامہ اشرفیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (از: محمد رحمت اللہ مصباحی)

حضور مفتیِ اعظم راجستھان کا سفرِ آخرت

مفتی اعظم راجستھان علاّمہ مفتی محمد اشفاق حسین قبلہ نعیمی علیہ الرحمۃ کی ۱۱ر ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹ر ستمبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ اچانک طبیعت خراب ہوئی فوراً نائب مفتی اعظم راجستھان مفتی شیر محمد خان رضوی نے ہوسپیٹل میں داخل کرایا ۱۵ر روز تک آپ زیرِ علاج رہے پھر طبیعت میں قدرے سکون ہوا تو چھٹی لے کر آپ کو دارالعلوم اسحاقیہ لے آئے پھر اچانک بتاریخ ۸ر ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴ر اکتوبر ۲۰۱۳ء کو دوبارہ طبیعت ناساز ہونے پر آپ کو ہوسپیٹل میں بھرتی کروایا گیا، علاج سے طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا، ۹ر ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۲۰۱۳ء کو ناگاہ طبیعت زیادہ خراب ہوگئی یہاں تک کہ صرف چند لمحوں میں آپ نے آخری سانس لی اور روح پاک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انّا للّٰہ وانّاالیہ راجعون "مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ"

یہ جانکاہ خبر چند لمحوں میں نہ فقط جودھپور بلکہ پورے راجستھان وبیرونِ راجستھان میں پھیل گئی۔ حضور مفتی اعظم راجستھان کی اچانک رحلت سے ملت اسلامیہ دہل اٹھی، ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، دنیائے سنیت پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، نہ جانے کتنے دل ودماغ ماؤف ہوگئے، ہوسپیٹل سے فوراً آپ کے جسد خاکی کو دارالعلوم اسحاقیہ لاکر حضرت کی قیام گاہ میں رکھا گیا اور غسل وکفن کی تیاری شروع ہوگئی، شہر کے لوگوں کا ہجوم دارالعلوم میں ہونے لگا، ہر گلی عقیدت کیشوں سے پُر ہوگئی۔ دارالعلوم کے اساتذۂ کرام نے کفن کو تیار کیا بعد نماز عصر غسل دیا گیا غسل دینے میں مولانا فیاض احمد رضوی، قاری محمد اکرام نعیمی، حافظ اللہ بخش اشرفی، مولانا ابوبکر اشرفی، حافظ نفیس احمد اشفاقی، حافظ عبد العزیز نقشبندی، مولانا رئیس الحسن اشفاقی، ڈاکٹر سیّد وسیم احمد اشرفی، مولانا رجب علی قادری اور حافظ محمد جاوید رضوی، حافظ محمد یعقوب اشفاقی، مولانا علی حسن اشفاقی الحاج محمد اسحٰق برکاتی، مولانا محمد ارکان ازہری، حافظ محمد مدنی وغیرہ نے مل کر غسل دیا اور کفن پہنایا۔

حضرت کے جنازۂ اقدس کو تیار کر کے مخصوص قیام گاہ میں رکھا گیا، علمائے کرام وطلبۂ دارالعلوم اور شہر کے عقیدت کیش رات بھر قرآن خوانی کرتے رہے، ۱۰ر ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ بعد نماز عید الاضحیٰ صدہا افراد قرآن خوانی وذکر میں مشغول رہے، یہاں تک کہ دن کو ۱۲ر بجے آپ کی قیام گاہ سے جنازۂ مقدّسہ کو اسحاقیہ اسکول کے وسیع صحن میں آپ کے رخ زیبا کی آخری زیارت کے لیے رکھا گیا، ہزاروں عقیدت مند افراد و اشخاص چہرۂ پاک کی زیارت سے اپنے آپ کو مشرف کرتے رہے، اسی اثنا میں صوبۂ راجستھان کے ہر دل عزیز چیف منسٹر اشوک جی گہلوت اور راجستھان کانگریس کے صدر جناب چندر بھان جی اور ان کے ساتھ دیگر اعلیٰ حکّام ووزرا وچیر مینس نے اپنے اپنے مخصوص انداز میں حضرت مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی ولایت مآب بارگاہ میں عقیدت کا خراج پیش کیا، بعد ادائگی نماز ظہر دارالعلوم اسحاقیہ سے پرنم آنکھوں اور حسرت ویاس کے ساتھ جنازۂ مقدسہ کو اٹھایا گیا، لاکھوں نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کا ہجوم تھا۔

دارالعلوم اسحاقیہ سے جالوری گیٹ عیدگاہ تک صرف ۱۵ر منٹ کا راستہ تھا، جو کثرت ازدحام کی وجہ سے تین گھنٹوں میں طے کیا گیا، جنازۂ مبارکہ نعت وذکر کے ساتھ سڑکوں سے گزرتا ہوا شہر جودھپور کی سب سے بڑی عید گاہ جالوری گیٹ جا پہنچا، نماز عصر ادا کرنے کے بعد نائبِ مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی شیر محمد خان رضوی نے حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی، ایک تخمینہ کے مطابق نماز جنازہ میں تقریباً چار لاکھ عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ یہ تاریخی نماز جنازہ تھی جس کو اہل راجستھان تاحین حیات یاد رکھیں گے، جنازۂ مقدّسہ کو کھلی ہوئی گاڑی میں رکھ کر ہزاروں عقیدت کیش موقر علما و عزیز طلبہ و عوام اہل سنت کے جھرمٹ میں الاشفاقیہ الاسحاقیہ انسٹی ٹیوٹ چوکھا (جو دارالعلوم سے تقریباً ۱۴ر کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے) لے جایا گیا۔ جہاں پر حضرت کے جسد خاکی کو قبر انور میں اتارا گیا، قبر میں اتارنے والے حضرات میں آپ کے پروردہ نور چشم شہزادۂ والا تبار حضرت الحاج قاری محمد معین الدین اشرفی اور حضرت کے تمام پوتے محمد مدنی، محمد مکی، محمد جیلانی، محمد طیّب اور آپکے تمام نواسے محمد افضل، محمد اکمل، محمد اکرم بھی شریک رہے،

مولانا سیّد ظہور احمد اشرفی الجیلانی اور مولانا الحاج ہارون رشید اشرفی آپ کی قبر انور میں اترے اور ساڑھے آٹھ بجے تک فاتحہ خوانی وگل پاشی ہوتی رہی، پھر نائب مفتی اعظم راجستھان و سیّد ظہور علی جیلانی نے حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی روح پُر فتوح کے لیے دعائے مغفرت وایصال ثواب کیا، ۱۱ر ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر سوئم کی فاتحہ کی رسم ادا کی گئی، جس میں ہزاروں عقیدت کیشوں ونیاز مندوں کا جم غفیر تھا جو اپنے عظیم محسن کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اکٹھا ہوا، جن میں وزیر صحت حکومت راجستھان عالی جناب نواب زادہ عماد الدین احمد اور ناگور شریف، جیسلمیر و باڑمیر و دیگر اضلاع کے ایم، ایل، اے و مختلف کانگریسی زعما شریک فاتحہ رہے۔

نائب مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی شیر محمد خان رضوی نے حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی حیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اور پیر طریقت حضرت سیّد محمد مہدی میاں چشتی گدی نشیں درگاہ اجمیر مقدس نے آپ کی ولایت مآب شخصیت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے فرمایا کہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ ایک مجسّم تنظیم اور گلدستہ کا نام ہے جس نے اپنے اندر تمام اہل علم و مختلف خانقاہوں و مشارب کو جمع کر لیا۔ اس کے معًا بعد فاتحہ ہوئی جس میں قاری محمد اکرام نعیمی، قاری عبدالوحید قادری، قاری ذاکر حسین اشرفی، قاری محمد مسیح الزماں قادری اشفاقی، قاری غلام مجتبیٰ اشرفی نے تلاوت قرآن حکیم فرمائی۔ جب کہ درود تاج سیّد محی الدین اشرفی الجیلانی نے پڑھا، اور حضرت سید مہدی میاں نے حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی روح پاک کے لیے دعائے مغفرت و بلندیِ درجات کی دعا کی، نیز ملک کی امن و شانتی و خوشحالی اور اہل سنت و جماعت کے مابین اتفاق و اتحاد و وداد و یگانگت و یکجہتی قائم رہنے کی دعا کی۔

از: محمد عالمگیر رضوی مصباحی، استاذ و مفتی دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور (راج)

خواجہ صاحب–صاحبِ علم و اخلاق

مکرمی ..... سلام مسنون

مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے عہد طالب علمی میں یعنی سن ۱۹۸۲ سے قبل کسی موقع پر میں نے خواجہ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین قبلہ زاد اللہ شرفہ و فضلہ کا ہشاش بشاش، چمکتا ہوا اور جاذب قلب و نظر چہرہ دیکھا تھا، وہ جھلک آج بھی میرے ذہن و دل میں محفوظ ہے۔ ابھی تقریبا دو سال قبل پیر طریقت حضرت مولانا سید تنویر ہاشمی اور حضرت مولانا مفتی منظور احمد (بلگام) کی رفاقت میں بہار اور یوپی کا دورہ ہوا اس موقعہ پر کچھوچہ شریف سے لکھنؤ جاتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب سے شرف ملاقات و کسب فیض کی غرض سے انکے دارالعلوم میں جانے کا حسن اتفاق میسر آیا۔ اللہ اکبر بالکل پہلی ملاقات تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ قبلہ خواجہ صاحب مجھے برسوں سے جانتے پہچانتے ہیں، نہایت مخلصانہ و مشفقانہ انداز تکلم اور پر تکلف و پر وقار وضع قطع پھر بھی مجھے وہ نہایت بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ بستر علالت پر ہوتے ہوئے بھی ہم مہمانوں کی مہمان نوازی میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی، شائستہ گفتگو بھی فرما رہے ہیں، ادھر اپنے شاگردوں کو ہماری مکمل خاطر تواضع کا حکم بھی دے رہے ہیں اور کبھی خود ہی اپنی نشست گاہ سے اٹھکر ہمارے دستر خوان کی طرف لپکتے ہوئے ہمیں خورد و نوش کی گذارش بھی کر رہے ہیں۔ واہ بھائی ! یہ تو خواجۂ علم و فن ہی نہیں بلکہ خواجۂ حسن اخلاق بھی ہیں۔

ہبلی واپسی کے بعد دوبار میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی علیک سلیک کے بعد مجھ کم علم و بے عمل کو انہوں نے، فرمایئے قاضی ملت ! کہہ کر مخاطب کیا اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ گفتگو کی۔ اور آپ کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ کہاں وہ کوہ علم و فن؟ اور کہاں میں ذرۂ بے وقعت و بے وزن؟ مگر وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیے۔

اے کاش ! یہی بات، یہی اخلاق اور یہی سوچ جماعت اہل سنت کے ہر نمائندہ اور ہر ترجمان میں اگر پیدا ہو جائے تو آج بھی عوام و خواص ہمارے قریب آسکتے ہیں۔ مگر افسوس! وائے نا کامی متاع کارواں جاتا رہا۔ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔ کہنا نہیں چاہتا تھا مگر کہنے پر مجبور ہوں کہ اہلسنت کے کتنے ایسے سپوت ہیں کہ ان کی کماحقہ قدر نہیں کی گئی جب کہ ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی حیثیت والوں کو لوگوں نے اپنے مطلب کے لیے خوب چڑھایا۔ اسی طرح کتنے ایسے جماعت میں چھوٹے ہیں جو جوہر قابل ہیں مگر انہیں نظر انداز کیا گیا۔

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم واقدس ﷺ کے طفیل حضرت خواجۂ علم و فن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے امثال اہل سنت میں پیدا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد علی قاضی، مصباحی، جمالی (ہبلی) خطیب مسجد منورہ بنگلور

آہ، اک اور دانائے راز رخصت ہوا

مکرمی ..... سلام مسنون

۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار صبح ۶/ بجے لندن کے وقت کے مطابق "سنی دعوتِ اسلامی" کے ایک مبلغ کا یہاں میرے پاس فون آیا کہ آج صبح ۳/ بج کر ۳۰/ منٹ پر خواجۂ علم و فن، جامع معقول و منقول حضرت علامہ مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد میں معمولی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ "انّا للہ و انا الیہ راجعون" پھر یہ خبر چند لمحوں میں برطانیہ اور یورپ میں آباد علماے کرام اور اربابِ علم و دانش تک پھیل گئی۔ علامہ شاہد رضا نعیمی لندن، ممتاز احمد اعظمی بریڈفورڈ، علامہ قاری محمد اسماعیل راچڈیل، علامہ محمد میاں مالیگ برمنگھم، مولانا محمد یونس مصباحی بولٹن، مولانا محمد ایوب اشرفی بولٹن، مولانا محمد اقبال مصباحی بولٹن، مولانا نظام الدین بلیک برن، مولانا ارشد مصباحی مانچسٹر نے اپنے اپنے مراکز و مساجد میں خواجۂ علم و فن حضرت استاذ العلما خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال پر تعزیتی جلسے کا اہتمام کیا اور ان کے اچانک وصال کو ملتِ اسلامیہ کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔..... (باقی، ص:۴۶ پر)

صدائے بازگشت

.....

محترم ایڈیٹر صاحب! ... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بارہا ایسا ہوا ہے کہ اگر کسی اجتماعی مسئلے کا احساس ہوا ہے تو اپنے احساس کی ترجمانی میں کوئی تحریر ماہ نامہ میں آگئی ہے۔ موجودہ حالات میں مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کے تعلق سے کچھ باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں کہ اکتوبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں اس احساس کی ترجمان تین تحریریں آگئیں۔ دو مضمون تو عالی وقار مفتی نظام الدین صاحب کے ہیں اور ایک مضمون مولانا محمد عابد چشتی کا ہے۔ تینوں مضامین مفصل، مدلل اور حق بات قبول کرنے والے کے لیے کافی ہیں، مگر اس سلسلے میں چند باتیں آسان پیرائے میں مجھے عرض کرنی ہیں۔

سوادِ اعظم مسلک اہلِ سنت و جماعت کو "مسلک اعلیٰ حضرت" کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ بات یہ ہے کہ عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت بعد تک دو ہی فرقے مشہور و معروف رہے، شیعہ اور سنی، جس میں سنی فرقہ ہی سوادِ اعظم یا اہلِ سنت و جماعت کہلایا، مگر کچھ کم دو صدی پیش تر محمد عبد الوہاب نجدی نے اپنے عقائدِ باطلہ اور مسائلِ خود ساختہ کے ساتھ ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی اور یہ وہابیہ کہلایا۔ وہابیہ نے تقلید شخصی کا انکار کیا، مذاہبِ اربعہ سے انحراف کیا، اللہ و رسول، صحابۂ کرام، اولیاے عظام کی شان میں گستاخیاں کیں مگر اپنے آپ کو سنی کہتا رہا، برصغیر یعنی متحدہ ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی نے وہابیہ کی ترجمانی اور نمائندگی کی، اس طرح یہاں بھی وہابیہ کا وجود ہوا، اُس وقت کے علماے اہلِ حق نے اُس کا رد بھی کیا، مگر زمانہ اعلیٰ حضرت تک یہ کافی پھیل چکا تھا، یہاں تک کہ اہلِ دیوبند نے ان عقائدِ باطلہ کو تسلیم کر لیا اور ان کے معاون بن گئے، مگر یہ مسائلِ فقہ میں فقہِ حنفی کے مقلد ہی رہے۔ علماے دیوبند کے ذریعہ علم کے زعم میں کفر و ضلالت بھری تحریریں لکھی گئیں، چوں کہ عبادات و معاملات میں اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے ان کی تحریروں، تقریروں پر گرفت کی اور کفر کا فتویٰ صادر فرمایا، جرأت مومنانہ، ہمتِ رندانہ کے ساتھ باطل قوتوں سے چومکھیا لڑائی لڑ کر باطل کو رد اور حق کو واضح کیا مگر کل فرقۂ وہابیہ کی وجہ سے عموماً اور حنفی وہابیہ کی وجہ سے خصوصاً یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کا ایک امتیازی علامتی نشان ہو کیوں کہ مدِ مقابل بھی اپنے آپ کو سنی کہتے اور کہلواتے تھے۔ اب چوں کہ ان کے مقابل اعلیٰ حضرت کی ذات تھی اور آپ اپنے کارہاے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف ہو چکے تھے، دیگر اکابرین و معاصرین کی بہ نسبت ردِ باطل اور اظہارِ حق میں آپ کا کام بہت زیادہ تھا اس لیے آپ ہی کے نام کی نسبت سے مسلکِ حق کو "مسلک اعلیٰ حضرت" کہا جانے لگا۔ حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی۔ جس طرح بالائی یا کھویا دودھ کی ضد نہیں ہے، بلکہ دودھ کا حاصل یا مغز ہے، اسی طرح مذہب و مسلک کے بارے میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کو سمجھنا چاہیے، مگر یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت، محبتِ رسول، عشقِ رسول، ناموسِ صحابہ، عقیدتِ اولیاے عظام کا محافظ ہے۔ فقہی فروعی مسائل پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا شریعت اسلامی میں فقہی فروعی اختلافات کی مثالیں فقہی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں، ایسے اختلافات کو امت کے لیے رحمت کہا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامی میں ہر زمان و مکان کے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت موجود ہے، مگر یہ تبھی ممکن ہے جب ہم نئے پیدا شدہ مسائل پر تحقیقات کے نتائج کو قبول کریں گے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو دنیا کی دیگر قومیں سورج کی حرارت اور ہوا کی جسامت پر فیصلے کر رہی ہوں گی اور ہم اسی بات میں الجھے رہیں گے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز آوازِ بازگشت ہے یا اصل آواز؟

ہر استفتا پر فتاویٰ صادر کرنا کسی فقیہ و مفتی کے لیے واجب نہیں بعض مرتبہ حالات و امکانات کے مدِ نظر سکوت اختیار کرنا بہتر ہوتا ہے اور کرنا چاہیے۔ مثلاً کاغذی نوٹوں کا چلن شروع ہوا تو حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں استفتا پیش ہوا کہ آیا کاغذی نوٹوں کا لین دین جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس مسئلے پر فتویٰ لے کر کیا کریں گے، میرا فتویٰ نہیں چلے گا اور نوٹ چل جائے گا۔ اس طرح ایک جملے میں انھوں نے اپنا نظریہ بھی ظاہر کر دیا اور فتویٰ دینے کی بجاے سکوت اختیار فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ علیہ الرحمۃ کی اس روش کو اپنانے کی آج بھی ضرورت ہے، کیوں کہ ضروریاتِ زندگی کے لیے جو بھی تکنیکی ایجادات ہوئی ہیں وہ اپنے آپ میں بنفسہٖ حرام و ناجائز نہیں ہو سکتیں، ان کا استعمال صحیح یا غلط ہو سکتا ہے، جیسے چھری بہت ہی قدیم ایجاد ہے، اس سے خانگی اور دیگر ضروریات پوری کی جائیں تو صحیح ہے، کسی کا قتلِ ناحق کیا جائے تو غلط ہے۔ تکنیکی ایجادات کے بارے میں بہت سے فتووں کا کیا حشر ہو رہا ہے، یہ اربابِ علم و دانش سے مخفی نہیں ہے۔

چند سوالیہ جملے پیشِ خدمت ہیں کہ حضور ﷺ کے دور سے خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک عورتیں بھی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتی رہیں اور نمازِ تراویح فرداً فرداً پڑھی جاتی رہی، مگر خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا اور نمازِ تراویح بیس رکعت باجماعت قائم فرمادی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس فیصلے پر عمل پیرا ہوئے۔ مگر سعودی نجدی وہابی غیر مقلد اور ان کے پیروکار ان فیصلوں کو نہیں مانتے، اس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ یہ عمر کا فیصلہ ہے ہم نہیں مانتے۔ اب اگر ہم بھی اعلیٰ حضرت یا کسی دیگر بزرگ شخصیت کے فتوے یا فیصلے پر کسی تحقیقی نتیجے کو قبول نہ کریں، تسلیم نہ کریں تو ہمارا یہ عمل ان وہابیہ کے عمل کے مثل ہو گا یا نہیں اور ایسا کرنے میں اگر ہم حق بجانب ہیں تو وہ کیسے غلط ہیں۔

بمبئی، تھانہ، رتناگیری وغیرہ کے کوکنی شافعی سنی حضرات اعلیٰ حضرت سے متعارف بھی ہیں اور معتقد بھی۔ ان کے عقائد و معمولات مسلکِ اعلیٰ حضرت کے مطابق بھی ہیں، مگر مسائلِ فقہ میں وہ فقہِ شافعیہ کے مقلد ہیں اس لیے مسائلِ فقہ میں ان کا اعلیٰ حضرت سے اختلاف لازم ہے، اب انھیں اعلیٰ حضرت سے منحرف کہا جائے گا یا متفق؟ اے کاش کہ حل کر دے کوئی یہ بھی سوالات۔

فقط والسلام - محمد خلیل مصباحی چشتی، عزیزی نگر، مبارک پور

سراج الفقہا کے مضامین توجہ کا مرکز بنے

مکرمی مدیر اعلیٰ صاحب ماہنامہ اشرفیہ ..... سلام مسنون

موقر جریدہ 'ماہنامہ اشرفیہ' شمارہ اکتوبر ۲۰۱۳ء باصرہ نواز ہوا۔ عصر حاضر کے عظیم محقق و فقیہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کے بیک وقت تین وقیع مضامین توجہ کا مرکز بنے مسلک اعلیٰ حضرت کی تشریح و تائید میں اتنا تحقیقی مضمون اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ جو لوگ لفظ 'مسلک اعلیٰ حضرت' اور نو پید فقہی و فرعی مسائل کو لے کر غلط فہمی کے شکار ہیں اور ذاتی مفاد کے لیے اختلاف کو بڑھاوا دے رہے ہیں وہ ٹھنڈے دماغ سے مفتی صاحب کے مضمون و فتویٰ کو پڑھیں اور اپنی عادت قبیحہ سے باز آئیں۔ زیر مطالعہ شمارہ میں مفتی موصوف کا مضمون و فتویٰ بعنوان "جداگانہ احکام اور فقہی اختلافات کے حدود، حقائق و شواہد کے اجالے میں" - "مسلک اعلیٰ حضرت عصر حاضر میں مسلک اہل سنت کی مترادف اصطلاح" بالترتیب شائع ہوا ہے۔ مفتی صاحب موصوف کے اندر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ایک سنجیدہ اور شریف انسان ہیں، کسی دباؤ یا انتقامی جذبہ کے تحت کوئی فتویٰ رقم نہیں فرماتے اور نہ ہی جذباتیت کا سہارا لیتے ہیں بلکہ تحقیق و تفتیش اور انتہائی غور و خوض کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اور مضامین حوالوں سے مزین و مبرہن ہوتے ہیں۔ تیسرا مضمون "مدارس اسلامیہ کے لیے رقوم لے کر تقریریاں کرنا ایک اہم فتویٰ" کے عنوان سے ہے۔ مدارس سے شفافیت عنقا ہوتی جا رہی ہے معلّمین و ملازمین سے بھاری رقم لے کر تقریریاں کرنا اب ایک عام سی بات ہے۔ اراکین مدارس و کمیٹی کی نظر میں صلاحیت، اہلیت اور فرض شناسی سے کہیں زیادہ روپے کی اہمیت ہے جس کی وجہ سے مدارس کا نظام تعلیم و تربیت دن بدن زوال پذیر ہوتا جا رہا ہے۔ اہل سنت کے بیشتر امداد یافتہ مدارس میں تو تعلیم یکسر ختم ہو چکی ہے صرف خانہ پری باقی ہے۔ ایسے مایوس کن حالات میں ذمہ داران مدارس کو رشوت کی تباہ کاریوں سے بطور خاص آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سمت میں ماہنامہ اشرفیہ مسلسل تحریری مباحثہ کے ذریعہ مثبت اور اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ شمارہ کے دیگر مشمولات بھی قابل مطالعہ اور لائق استفادہ ہیں۔ اگست اور ستمبر ۲۰۱۳ء کا شمارہ موصول نہیں ہوا، نومبر کے تازہ شمارہ کے ساتھ پچھلے دو مہینے کا رسالہ بھی ارسال فرمادیں، راقم بے حد ممنون ہو گا۔ والسلام

مولانا محمد عرفان قادری

استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

اہلِ سنت کا سچا ترجمان

مکرمی مدیر اعلیٰ صاحب ماہنامہ اشرفیہ ..... سلام مسنون

ماہ نامہ اس وقت برّصغیر میں "اہل سنّت" کا سچّا ترجمان ہے. جو پوری جماعت کی طرف سے علم شریعت پھیلانے کا فرض کفایہ ادا کر رہا ہے. اب زمانہ بدل چکا ہے. نئے وسائل کے ساتھ ساتھ نئے مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں. اگر ان مسائل کو ارباب حل و عقد شریعت کی روشنی میں حل کر کے قابل انتفاع بنائے تو بجائے حوصلہ افزائی کے ان پر مسلک بیزاری کا الزام لگانا کہاں کی دانش مندی ہے؟

ایسے گراں قدر علمی تحقیقات پر اگر یوں غیر متوقّع ہنگامہ آرائی ہوئی تو پھر ایسا نہ ہو کہ ع

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گیے

انصار احمد مصباحی، ناسک

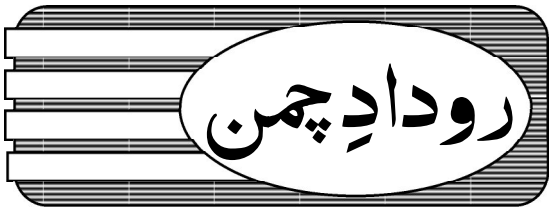

روداد چمن

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں

تقسیم انعامات کی سالانہ تقریب

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تقسیم انعامات کی سالانہ تقریب منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل طلبہ نے بدست عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ انعامات حاصل کیے۔ ہر جمات کے اول، دوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی اور سوم، چہارم و پنجم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو تشجیعی انعامات دیے گئے۔

اس کی اجمالی رپورٹ اکتوبر ۲۰۱۳ء کے ماہ نامہ اشرفیہ و اخبارات میں آچکی ہے۔ اب تفصیل قارئین کی نذر ہے

جامعہ میں اول-محمد رئیس اختر -بارہ بنکی-تفسیر مظہر القرآن

جامعہ میں دوم-محمد حسین-کان پور-تفسیر مظہر القرآن

جامعہ میں سوم -محمد فیض اللہ-ہزاری باغ-تفسیر مظہر القرآن

درجہ	نام	ولدیت	سکونت	جامعہ میں پوزیشن	انعامی کتب
اعدادیہ	محمد ندیم انصاری	صلاح الدین انصاری	جون پور	اول	سیرت محمدیہ، حجۃ اللہ علی العالمین، فتنۂ اہل حدیث
//	محمد ابوذر غفاری	نجم الدین	پرولیا	دوم	سیرت محمدیہ، حجۃ اللہ علی العالمین، باغی ہندوستان
اولیٰ	آصف رضا	عین الحق	فتح پور	اول	خصائص کبریٰ، امجد الاحادیث، سیرت محمدیہ
//	آصف رضا	محمد اسحاق	گونڈہ	دوم	خصائص کبریٰ، امجد الاحادیث، حیات حافظ ملت
ثانیہ	محمد رضا	محمد شاہد رضا	اے پی	اول	مظہر القرآن، مطالع المسرات، تقدیس الوکیل
//	محمد شاہد رضا	محمد زین اللہ	اورنگ آباد	دوم	مظہر القرآن، مطالع المسرات، باغی ہندوستان
ثالثہ	محمد حسین	محمد نسیم	کان پور	اول	بخاری شریف مترجم و مسلم شریف مترجم ۳ جلد
//	محمد وثیق	عبد المناف	سنت کبیر نگر	دوم	بخاری شریف مترجم و مظہر القرآن
رابعہ	محمد اسلم رضا آزاد	محمد اظہر علی نواز	گڈا	اول	مظہر القرآن، مجاہدہ اول دوم، فتاویٰ فیض الرسول
//	محمد اعظم	عبد الجبار	مبارک پور	دوم	مظہر القرآن، مجاہدہ اول دوم، امجد الاحادیث
خامسہ	محمد شعیب	محمد مستقیم	اناؤ	اول	زاد الاحباب، جد الممتار اول دوم، حاشیۃ العلوی علی البیضاوی
//	محمد داؤد کمال	کمال الدین	گوپال گنج	دوم	شفا شریف، جد الممتار اول دوم، حاشیۃ العلوی علی البیضاوی
سادسہ	محمد رئیس اختر	نفیس احمد	بارہ بنکی	اول	تفسیر ابن کثیر، تنبیہ المغترین، رجال حول الرسول
//	ذی شان یوسف	محمد رفیق	شراوستی	دوم	کتب الفقہ، تنبیہ المغترین، رجال حول الرسول
سابعہ	محمد فیض اللہ	محمد زین العابدین	ہزاری باغ	اول	تفسیر ابن کثیر، زاد الاحباب، جد الممتار اول دوم
//	شمسیر علی	عالم گیر صدیقی	گجرات	دوم	تفسیر مظہر القرآن، صواعق محرقہ، حاشیۃ العلوی
فضیلت	محمد امجد علی وارثی	محمد حنیف وارثی	سیتامڑھی	اول	تفسیر در منثور، صواعق محرقہ، حاشیۃ العلوی
//	محمد عبد المصطفیٰ	عبد المالک	نیپال	دوم	کتاب الفقہ، تنبیہ المغترین
حفظ	آفاق الظفر	جمیل احمد	مبارک پور	اول	سیرت محمدیہ، امجد الاحادیث

//	محمد عبدالقادر	محمد ظفر الحسنین	غازی پور	دوم	سیرتِ محمدیہ، اعمالِ جہنم

ہر درجہ میں سوم، چہارم، پنجم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ

درجہ	پوزیشن	نام	سکونت	انعامی کتب
اعدادیہ	سوم	حسام الدین	پرولیا	امجد الاحادیث، حیاتِ حافظِ ملت
	چہارم	محمد زبیر سلامی	سنبھل	
	پنجم	احتشام احمد	امبیڈکر نگر	
اولیٰ	سوم	نور الہدیٰ	کان پور	امجد الاحادیث، مجاہدہ اول دوم
	چہارم	محمد ابوسفیان	الہ آباد	
	پنجم	محمد شہزاد خان	گونڈہ	
ثانیہ	سوم	محمد توقیر رضا	رام پور	امجد الاحادیث، فتاویٰ فقیہ ملت
	چہارم	خوش محمد	دیوریا	
	پنجم	محمد جنید	کان پور	
ثالثہ	سوم	کمال احمد	مراد آباد	امجد الاحادیث، فتاویٰ نعیمیہ
	چہارم	محمد محتشم	کولکاتا	
	پنجم	محمد عالم گیر	مراد آباد	
رابعہ	سوم	محمد آصف	امبیڈکر نگر	حاشیۃ البیضاوی
	چہارم	محمد داؤد علی	گیا	
	پنجم	محمد جعفر رضا	گونڈہ	

درجہ	پوزیشن	نام	سکونت	انعامی کتب
خامسہ	سوم	سکندر حیات خاں	جموں وکشمیر	زاد الاحباب، فتاویٰ نعیمیہ، شفا شریف
	چہارم	محمد دانش رضا	اتر دیناج پور	
	پنجم	محمد انیس احمد	شراوستی	
سادسہ	سوم	محمد حفیظ الرحمٰن	صاحب گنج	تفسیر مظہر القرآن، فتاویٰ فیض الرسول
	چہارم	محمد عالم گیر	گڈا	
	پنجم	عبدالرحمٰن	سنت کبیر نگر	
سابعہ	سوم	محمد سلیم	گجرات	حاشیۃ البیضاوی، شفا شریف
	چہارم	شمیم اختر	اڑیسہ	
	پنجم	محمد اشرف رضا	اتر دیناج پور	
فضیلت	سوم	محمد نعیم اختر	مہراج گنج	حاشیۃ البیضاوی، شفا شریف
	چہارم	رقیب سنجر	پرولیا	
	پنجم	محمد قاسم	گجرات	

از: مولانا محمد رفیع القدر مصباحی

==

(ص:۵۶ کا بقیہ) سرپرست کانفرنس شیخ طریقت حضرت شاہ محمد ثقلین میاں نے تمام شرکا کے لیے اور ملک میں امن چین وسکون کے لیے دعائیں کیں۔

عید گاہ میدان کے جنوبی گوشہ میں اکسٹھ شادیوں کا جہیز بالترتیب سجا ہوا رکھا تھا۔ دوسری طرف لنگر غوثِ اعظم کا انتظام تھا۔ صبح دس بجے سے شام بعد نمازِ مغرب تک مسلسل ہر خاص وعام کے لیے بغیر ٹکٹ اور لائن لگائے بغیر لنگر جاری رہا۔ ایک محتاط اعداد وشمار کے مطابق تقریباً پچیس ہزار مخلوق نے لنگر غوثِ اعظم سے کھانا تناول فرمایا اور پروگرام میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق پچاس ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ منیف ثقلینی کی نگرانی میں مولانا راشد ثقلینی نعیمی، مولانا اسد علی ثقلینی نعیمی، مولانا نور محمد ثقلینی نعیمی، مولانا نور محمد ثقلینی نعیمی، قاری انوار حسین ثقلینی، قاری حسنین ثقلینی، حافظ ذاکر حسین ثقلینی اور حافظ محمد غوثی میاں ثقلینی نے نکاح پڑھائے۔

دیگر شرکا میں صاحب زادۂ محترم الحاج محمد غازی میاں ثقلینی ولی عہد خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف، مولانا محب علی نعیمی بانی تنظیم اہلِ سنت مراد آباد، مولانا صوفی جعفر حسین ثقلینی مدرسہ ثقلینہ، مراد آباد، مولانا رشید علی اشرفی مراد آباد، مولانا قاری جمیل احمد ثقلینی مدرس مدرسہ فیضان شاہ بلاقی مراد آباد، مولانا محمد ہارون اشرفی مراد آباد، حافظ ضمیر احمد ثقلینی بدیواں، مولانا اسرار احمد ثقلینی ککرالہ، مولانا صوفی سرتاج ثقلینی جونیرہ، مولانا اشتیاق احمد قادری ممبر صوبائی سماج وادی پارٹی بریلی، مولانا احسان قادری مراد آباد، حافظ سلیم قادری امام مسجد کریلا والی، اور شہر مراد آباد اور قرب وجوار کی مساجد اور مدارس کے علما، اساتذہ، ائمہ اور طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اربابِ سیاست بھی ایک خاصی تعداد میں موجود تھے۔ **از: آفتاب احمد ثقلینی، حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا، بریلی**

خیر و خبر

مبارک پور میں سیرت رسول کانفرنس

۳؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بعد نماز عشا مدرسہ اشرفیہ ضیاء الاسلام، مبارک پور، اعظم گڑھ کے زیر اہتمام محلہ اسلام پورہ میں "سیرت رسول کانفرنس" منعقد ہوئی، جس کی صدارت محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ نے فرمائی، اور نظامت مولانا قیصر اعظمی نے کی۔ مہمان خصوصی کے طور پر انجینئر سید فضل اللہ صابری چشتی مدعو تھے۔ تلاوت کلام اللہ اور حمد و نعت اور منقبت کے بعد سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی کا معلومات افزا سوال و جواب کا پروگرام ہوا، آپ نے اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں لوگوں کے سوالوں کے تشفی بخش جوابات دیے۔ اس کے بعد مہمان خصوصی انجینئر سید فضل اللہ صابری چشتی کی "عقائد و معمولات اہل سنت: قرآن و حدیث کی روشنی میں" کے موضوع پر مفصّل اور مدلل تقریر ہوئی۔ پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ ایمان کے لیے نبی سے محبت شرط ہے، اس کے بغیر کوئی صاحب ایمان ہو ہی نہیں سکتا، آپ نے معمولات اہل سنت کو قرآن و حدیث، اقوال سلف صالحین اور ساتھ ہی مخالفین کی کتابوں سے بھی ثابت کیا

آخر میں درود و سلام اور سید شاہ ابوالفیض حامد حسین کی دعا پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔ جلسہ میں طلبہ اشرفیہ خاصی تعداد میں موجود تھے۔

۴؍اکتوبر بروز جمعہ ۱۱ بجے دن جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے دارالحدیث میں انجینئر سید فضل اللہ صابری چشتی کا طلبۂ اشرفیہ کے مابین خصوصی خطاب ہوا، حالات زمانہ کے حوالے سے آپ نے طلبہ اشرفیہ کو بیش قیمت معلومات فراہم کیں، خطاب کے دوران آپ نے فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم دینی ادارہ ہے، یہاں کے فارغین مذہب اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا دنداں شکن جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کے لیے یہ نو سالہ نصاب تعلیم، آپ کی تعلیمی زندگی کی بنیاد ہے، فراغت کے بعد اس کی اصل تعمیر شروع ہوگی، عمارت مضبوط اسی وقت ہوسکتی ہے جب بنیاد ٹھوس ہو، ورنہ کسی اچھے محل کی تعمیر کی توقع کیوں کر ہو سکتی ہے۔ لہذا آپ حضرات خوب محنت کریں۔ بالخصوص عربی زبان میں کمال پیدا کریں کہ ہمارا سارا علمی اثاثہ اسی میں محفوظ ہے، آپ نے فرمایا کہ طلبہ کے اندر بہت کچھ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے مگر ان کو صحیح راہ نمائی نہیں مل پاتی ہے، جس کے سبب وہ اپنی راہ عمل متعیّن نہیں کرپاتے ہیں، لہذا ماہرین کو چاہیے کہ وہ موقع بہ موقع ان کی صحیح راہ نمائی فرمائیں۔

یہ محفل اس لحاظ سے بھی بہت اہم تھی کہ اس میں خاص طور سے درجہ فضیلت کے طلبہ موجود تھے، ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ میں سے کچھ طلبہ فراغت کے بعد تدریس و امامت کے فرائض انجام دیں گے، لہذا ابھی سے ہی اس کے لیے تیاری میں لگ جائیں اور دعوت و ارشاد کی اہمیت کو سمجھیں، جمعہ کے دن ائمہ کرام کو جو خطاب کا موقع ملتا ہے، اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں ضائع نہ کریں، کیوں کہ لوگوں تک اپنے پیغام کو پہنچانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ مزید فرمایا: آپ میں سے کچھ وہ ہوں گے جو اپنی تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھیں گے، ان میں سے کچھ شعبہ تحقیق میں داخلہ لیں گے اور کچھ عصری درس گاہوں کا رخ کریں گے، تو جو طلبہ یونیورسیٹیوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ ہندوستان کی بڑی یونیورسیٹیوں میں جائیں مثلاً جے۔این۔یو، علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی، جامعہ ہمدرد، جامعہ ملیہ، اور دیگر شعبہ جات کے ساتھ بی۔اے فارسی اور شعبہ صحافت میں داخلہ لیں۔ کیوں کہ یہ میدان خالی پڑا ہے جس کے سبب اغیار اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

پھر آپ کی پر خلوص دعا پر محفل بڑی کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم اسلامی کانفرنس کا انعقاد

۶؍اکتوبر کو ہندوستان کی معروف درس گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مبارک پور (اعظم گڑھ) سے حصولِ علم کے لیے آئے ہوئے طالب علم محمد اظہر نور اعظمی نے ایک عظیم الشان تعلیمِ اسلامی کانفرنس کا انعقاد کرکے یہ ثابت کردیا کہ انسانیت کی معراج علم کے حصول کے بعد ہی ممکن ہے اور حصولِ علم کے لیے کسی عمر کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔

تعلیم اسلامی کانفرنس کی سرپرستی پروفیسر سید محمد امین میاں سجادہ نشیں خانقاہِ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور صدارت داعیِ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ صفوی محمدی سجادہ نشیں خانقاہِ عارفیہ سید سراواں، الہ آباد نے فرمائی۔

کانفرنس میں مقررِ خصوصی حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی نے قرآن کی روشنی میں نبی آخر الزماں ﷺ اسلاف اور صحابۂ کرام کی عملی زندگی کو موجودہ زندگی میں کامیابی کی ضمانت بتایا۔ انسان کے خمیر کی اولیت کو لے کر فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کو پیش کرتے ہوئے انسان کو یزیدی دماغ نہیں بلکہ حسینی دل رکھنے کا درس دیا۔ اسلام کی مکمل روشنی قرآن ہے، قرآن معلمِ کائنات ﷺ پر بذریعۂ وحی آنے والی ایک ایسی کتاب ہے جس میں آج ہزاروں سال بعد بھی ایک نقطے کا رد و بدل نہ ہوا۔ اور نہ ہی رہتی دنیا تک ہوگا۔ آج اور تاقیامت دنیا میں ہونے والی ایسی کوئی ترقی موجود نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ اگر آج ہم قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کردیں تو وہ دن دور نہیں جب

انسانیت کا دامن جھوٹ، مکر، فریب جیسے داغوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

تعلیم اسلامی کانفرنس کی خاص بات یہ رہی کہ اس کانفرنس میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور مختلف مساجد کے ائمہ کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ و طالبات اسلامی تعلیمات سے مستفیض ہو رہے تھے۔ کانفرنس میں قاری غیاث الدین مبارک پوری نے حمدِ باری تعالیٰ اور نعتِ نبی کے گل دستے پیش کر کے موسم کو خوشگوار بنایا۔ اس کی نظامت مولانا قیصر اعظمی نے بحسن و خوبی انجام دی۔ آخر میں کنوینر محمد اظہر نور اعظمی کے شکریہ نامہ اور شہزادۂ عزیز ملت حضرت علامہ مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی رقت آمیز دعا اور صلاۃ و سلام کے بعد تعلیم اسلامی کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

از: حافظ عمران مصباحی، سر سید ہال (شمال)، اے ایم یو علی گڑھ

مرادآباد میں اکسٹھ (۶۱) اجتماعی شادیاں

خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف کے زیرِ اہتمام چلنے والی تنظیم حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا کی شاخ مراد آباد نے شہر صدر الافاضل مراد آباد کے عید گاہ میدان میں ۲۸؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز پیر غریب بے سہارا اور ضرورت مند مسلم لڑکے لڑکیوں کی اکسٹھ اجتماعی شادیاں کیں۔

شیخ طریقت شاہ محمد ثقلین میاں حضور قادری مجددی زیب سجادہ خانقاہ شرافتیہ کی سرپرستی میں صبح ۹؍ بجے "شاہ شرافت کانفرنس" منعقد ہوئی۔ عمدۃ الفقہا حضرت مفتی محمد ایوب خاں نعیمی صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد نے عہدۂ صدارت کو زینت بخشی۔

مولانا فہیم احمد ثقلینی ازہری نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

قاری ابو الحسن ثقلینی مراد آبادی کی تلاوت کلام اللہ سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ حسیب رونق ثقلینی بریلوی، قاری شانِ عالم اشرفی مراد آبادی، نور اشرفی مراد آبادی، راغب کمرالوی، قاری انصار ثقلینی، قاری انوار ثقلینی اور حافظ محمد عامل ثقلینی کمرالوی نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مولانا فہیم احمد ثقلینی نے اسلام اور عصر حاضر کے موضوع پر جامع خطاب کیا۔ مولانا رفاقت علی ثقلینی نے حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں کی حیات و خدمات پر مشتمل نصیحت آمیز خطاب میں کہا کہ آپ کی پوری زندگی قرآن و حدیث کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، مولانا راشد علی ثقلینی نے امام ربانی مجدد الف ثانی کی تجدیدی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مجدد الف ثانی نے اکبر بادشاہ کے خود ساختہ فرضی دینِ الٰہی کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا اور جو غلط تصویرِ اسلام کی پیش کی جا رہی تھی، اس کو صاف و شفاف کر کے اصل دینِ اسلام کو بر صغیر میں دوبارہ زندہ کیا اور آج جو برصغیر میں اسلام و سنیت کی بہاریں نظر آ رہی ہیں اس میں مجدد الف ثانی کے جہاد و خدمات کا بہت بڑا دخل ہے۔

مولانا شمس الدین ثقلینی نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کے حوالے سے اصلاح معاشرہ پر مدلل خطاب فرمایا اور آپ کی زندگی کے وہ واقعات بیان کیے جس کے ذریعہ آج اصلاح معاشرہ اور امن چین و سکون پھیل سکتا ہے۔ حافظ محمد عامل ثقلینی کمرالوی نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ علم و فضل میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔

منتخب احمد نور کمرالوی نے حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا، دینی، ملی، سماجی اور فلاحی خدمات کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ مولانا زاہد رضا رضوی سابق وزیر حج اتراکھنڈ نے اپنے خطاب میں کہا کہ حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی کی بابرکت سرپرستی میں آج اکسٹھ اجتماعی شادیاں ہو رہی ہیں اور ایک سو بائیس گھرانوں کے دل آپس میں مل رہے ہیں اور ایک خوب صورت سماج تشکیل دیا جا رہا ہے، خانقاہ شرافتیہ اب تک کم و بیش ایک ہزار غریب اور بے سہارا سنی مسلم بچے بچیوں کی شادیاں کرا چکی ہے، ان کا یہ عمل دیگر تنظیموں اور خانقاہوں کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ دو پہر ایک بجے مولانا عبید اللہ خان اعظمی سابق ممبر پارلیمنٹ کا شان دار خطاب ہوا۔ آپ نے نکاح کا اسلامی تصور کے موضوع پر گراں قدر خطاب فرمایا۔ دوران خطاب پوری عید گاہ میدان میں سناٹا طاری تھا۔ آپ کے طرزِ استدلال سے اہلِ علم محوِ حیرت تھے۔

اکیڈمی کے چیرمین الحاج ممتاز میاں ثقلینی نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا اور پولیس انتظامیہ و دیگر حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ اور تمام شرکاے کانفرنس کو یہ تاکید کی کہ آپ چاہے عرس میں آئیں یا کانفرنس میں آئیں آپ کے آنے جانے سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ ایسے موقعوں پر جلد بازی ہرگز نہ کریں، صبر و ضبط سے کام لیں، یہی اسلامی طریقہ ہے۔

مولانا مفتی محمد ایوب خاں نعیمی نے صدارتی خطاب میں قوم و ملت کو اپنے ناصحانہ کلمات سے نوازا اور اکیڈمی کو مبارک باد پیش کی اور تمام دولہا دلھن کے لیے دعائیں کیں۔ اس کے بعد صلاۃ و سلام سے پورا میدان گونج اٹھا۔................... **(باقی ص: ۵۴ پر)**